علامہ محمد اقبالؒ کے پسندیدہ سیرت نگار

قادیانیت سے تائب مسلمان کی تالیف

سرورِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

فضل کریم خاں درّانی

Marfat.com

Marfat.com

علامہ محمد اقبالؒ کے پسندیدہ سیرت نگار

قادیانیت سے تائب مسلمان کی تالیف

سرورِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم

فضل کریم خاں درّانی

DATA ENTERED

بہ اشتراک

درّانی فاؤنڈیشن، کراچی

انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز

بیت الحکمت لاہور

Marfat.com

۲۹۷٫۹۹۲۱ درّانی، فضل کریم خاں

در ـ س سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

لاہور: انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز

بیت الحکمت، ۲۰۰۳ء

۱۳۶ ص

ا۔ سیرت۔ سوانح۔ تاریخ

ISBN 969-8773-06-1

297-9921

12<151

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۰۳ء

کتاب : سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مصنف : فضل کریم خاں درّانی

اہتمام : درّانی فاؤنڈیشن، کراچی

بیت الحکمت، لاہور

مطبع : انتخاب جدید پریس، لاہور

قیمت : [redacted] روپے

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور فون: 7320318

ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ

فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی ۲۲۱۲۹۹۱-۰۲۱

Marfat.com

ترتیب

دیباچہ (طبع اوّل)	۱۰	عرب کی تجارت	۲۶
حرفِ اوّل	۱۱	قوم کی کمزوری	۲۷
پہلا باب:- محبوب دوعالم ﷺ	۱۹	عرب حکومتیں	۲۷
اسلامی برادری	۱۹	یمن	۲۸
ہمارے رسول ﷺ	۲۰	اصحاب فیل کی تباہی	۲۹
اسلام کی تعلیم	۲۱	غیروں کی غلامی	۲۹
دوسرا باب:- ملکِ عرب	۲۲	اندرونی حالت	۳۰
مکۂ مکرمہ	۲۲	وفاداری کا جوہر	۳۱
مدینہ منورہ	۲۲	خون بہا	۳۱
عرب کا جغرافیہ	۲۲	مردانہ خصلت	۳۲
تیسرا باب:- اہلِ عرب	۲۶	پناہ دینا	۳۲

Marfat.com

متبرک مہینے ۳۲
زمانۂ جاہلیت ۳۲
اچھائی برائی کی تمیز ندارد ۳۳
شعر وشاعری ۳۳
چوتھا باب:- عربوں کا مذہب ۳۵
عیسائی اور یہودی ۳۵
ستارہ اور بت پرست ۳۵
وَدّ ۳۵
منات ۳۶
لات ۳۶
عُزّیٰ ۳۶
کعبہ ۳۶
حجرِ اسود ۳۷
عکاظ کا میلہ ۳۸
قریش مکہ اور حج ۳۸
مذہب سے لاپروائی ۳۹
عربوں کی خوبیاں ۴۰
پانچواں باب:- مولود مسعود اور بچپن ۴۱
خاندان قریش ۴۱
خاندانِ نبوی ۴۱
ہاشم ۴۲
چاہ زمزم ۴۳
بنی خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ۴۳
حضورؐ کے والد سردار عبداللہ ۴۴
حضورؐ کی والدہ مکرمہ ۴۴
محمدؐ واحمد ﷺ ۴۵
رضاعت ۴۵
احسان مندی کی دوسری مثال ۴۷
سفیر مدینہ ۴۷
والدہ کا انتقال ۴۸
بچپن کی زندگی ۴۸
چھٹا باب:- عہد شباب ۴۹
شام کا سفر ۴۹
مشاہدہ کی قوت ۴۹
حلف الفضول ۵۰
حضرت خدیجہؓ ۵۱
نکاح ۵۲
اولاد ۵۲
الامین ۵۳
تعمیرِ کعبہ ۵۳

Marfat.com

حضرت علیؓ	۵۴
زید بن حارثہؓ	۵۵
ساتواں باب:- بعثتِ نبوی	۵۶
پہلی پکار	۵۶
پہلے مسلمان	۵۸
پہلے تین سال	۵۹
آٹھواں باب:- ہجرتِ حبشہ	۶۱
دعوتِ عام	۶۱
مخالفت کی وجوہات	۶۲
لالچ	۶۳
دھمکیاں	۶۴
استقلال	۶۴
مخالفت	۶۵
غریب مسلمانوں کی حالت	۶۵
ہجرت	۶۶
حضرت جعفرؓ کا خطبہ	۶۷
نواں باب: محاصرہ (شعب ابی طالب)	۶۸
حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	۶۹
حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	۶۹
قریش کے اندیشے	۷۱
محاصرہ	۷۱
انتقال ابوطالب وحضرت خدیجہؓ	۷۲
دسواں باب:- ہجرت	۷۳
سفرِ طائف	۷۳
دشمنوں کے لیے دعا	۷۴
اسلام مدینہ میں	۷۴
پہلی بیعت عقبہ	۷۵
دوسری بیعتِ عقبہ	۷۵
ہجرتِ مدینہ	۷۶
قتل کی سازش	۷۷
حیدر کرار کا حوصلہ	۷۷
ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	۷۸
مدینہ میں داخلہ	۷۹
سنِ ہجری	۸۰
گیارھواں باب:- مدینہ منورہ	۸۱
شاہِ مدینہ	۸۲
مدینہ کے یہودی	۸۲
مسجد نبوی	۸۲
اصحابِ صفہ	۸۳
مہاجرین اور انصار کی برادری	۸۳

Marfat.com

بارھواں باب:- غزوۂ بدر	۸۵
قریش کا اندیشہ	۸۵
قریش کی سازشیں	۸۵
معاہدہ	۸۶
دو فیصلے	۸۶
قریش کا پہلا حملہ	۸۷
قریش کا دوسرا حملہ	۸۷
لڑائی	۸۹
فتح کا سبب	۹۰
یہودیوں کی شرارتیں	۹۱
بنی قینقاع کی جلاوطنی	۹۲
تیرھواں باب:- غزوۂ احد	۹۳
قریش کا تیسرا حملہ	۹۳
قریش کا چوتھا حملہ	۹۳
یہود اور عبداللہ بن ابی کی غداری	۹۴
بدوی قبائل پر احد کا اثر	۹۶
مبلغوں کے قتل	۹۶
یہود کی شرارت	۹۷
بنی نضیر کا اخراج	۹۸
چودھواں باب:- غزوۂ خندق	۹۹
قریش کا پانچواں حملہ	۹۹
فتح اسلام	۱۰۱
یہود کی غداری	۱۰۱
عبرت ناک سزا	۱۰۲
پندرھواں باب:- صلح حدیبیہ	۱۰۴
بیعتِ رضوان	۱۰۵
شرائط صلح	۱۰۵
صلح کے نتائج	۱۰۶
بادشاہوں کے نام خطوط	۱۰۷
سولھواں باب:- غزوۂ خیبر	۱۰۹
خیبر پر لشکر کشی	۱۰۹
فاتح خیبر	۱۱۰
قتل کی کوشش	۱۱۱
عمرہ	۱۱۲
معرکۂ موتہ	۱۱۲
ستارھواں باب:- فتح مکہ	۱۱۴
صلح حدیبیہ کس طرح ٹوٹی	۱۱۴
قریش کی شوخی	۱۱۵
مکہ پر چڑھائی	۱۱۵
عفو عام	۱۱۷

Marfat.com

غزوۂ حنین	۱۱۸	وصال	۱۲۸
اٹھارھواں باب:-نشر اسلام	۱۲۱	**انیسواں باب**:-ایک آخری نظر	۱۳۰
مکی عہد	۱۲۱	تعلیم	۱۳۱
مدنی عہد	۱۲۲	مصروفیت	۱۳۲
قبائل کے وفد	۱۲۳	سخاوت	۱۳۳
طائف کا قبول اسلام	۱۲۴	مساوات	۱۳۴
وفد نجران	۱۲۵	بیواؤں اور یتیموں کی پرورش	۱۳۵
غزوۂ تبوک	۱۲۵	غربا پر توجہ	۱۳۵
حج براۃ	۱۲۶	دوستی	۱۳۵
حجۃ الوداع	۱۲۶	بچوں سے محبت	۱۳۶

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.))

Marfat.com

دیباچہ

(طبع اوّل)

سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ وہ گراں پایہ ہستی ہیں کہ آپ ﷺ کی غلامی کی سعادت حاصل کیے بغیر کوئی شخص محبوب خدا بن ہی نہیں سکتا اور آپ ﷺ کی غلامی کی سعادت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب انسان آپ ﷺ کی سوانح حالات سے بخوبی واقف ہو۔ چنانچہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی ہیں مگر کوئی کتاب ایسی نہیں جو ہر طبقہ کے لیے یکساں موزوں و مفید ہو۔

ضرورت تھی کہ ''مطبوعات پیکو'' کی طرز پر ایک نہائت عام فہم دلچسپ اور مختصر مگر جامع کتاب لکھی جائے۔ جس سے ہر شخص فائدہ اٹھائے اور نہ صرف بڑے بلکہ بچے اور عورتیں بھی اسے چٹکیاں لے لے کر پڑھیں اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے لیے تیار ہوں، ماسٹر صاحب کی اس آواز کو میرے محترم اور قابل دوست میاں فضل کریم خاں درانی، بی۔ اے نے عملی جامہ پہنا دیا ہے اور آج آپ کے سامنے وہ کتاب ہے جسے اگر غور سے پڑھا یا گیا تو پڑھنے والوں کے دلوں میں حضورؐ سے والہانہ محبت کا جذبہ پیدا ہوگا اور خود بخود پیروی کی تحریک ہوگی۔

((رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۔اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ٥))

بندۂ خاکسار

محمد شاہ عفاء اللہ عنہ

Marfat.com

حرفِ اوّل

اسلامی ادبیات میں جن موضوعات کو خصوصی امتیاز اور فضیلت حاصل ہے، ان میں تفسیر و حدیث کے بعد ''سیرت'' کا مطالعہ ایک منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ خود تفسیر و حدیث بھی حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کے منصب کی تشریح و توضیح کا حامل ذخیرۂ علم اور نمونۂ عمل ہے۔ سیرت ایک طرف انساب عرب، جغرافیۂ عرب، خاندانِ نبوت، حجازی ادب و ثقافت اور روایاتِ اہلِ عرب کو پیش کرتی ہے تو دوسری طرف دعوتِ اسلام کے مراحل، غزوات و سرایا، تزکیہ و تربیت، اسلامی ریاست اور اس کے مختلف اداروں کی تشکیل، اقامتِ دین کے راستے کی مشکلات، معجزات، وقائع پیغمبر، اخلاقِ کاملہ اور اوصاف حمیدہ کی تفصیل فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت اگر ایک طرف آج ہزاروں کتب کے لاکھوں صفحات میں محفوظ ہے تو دوسری طرف آپؐ کے ڈیڑھ لاکھ کے قریب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لائق رشک شخصیات اور اعمال و افعال میں بھی جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی دکھائی نہیں دیتی جس کی پاکیزہ حیات اور احوالِ سیرت کو ایسی جامع تفصیل، اس قدر تحقیقی شعور اور ایمانی ضابطے کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہو۔ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

''سیرت'' کا لفظ اپنے لغوی مفہوم میں چال چلن، طور طریقے اور روش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ لفظِ سیرت ایک اصطلاح کا درجہ اختیار کرتا ہے تو یہ صاحبِ سیرت کی سوانح، کوائفِ حیات اور احوالِ زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ مسلمان مؤرخین نے آپ ﷺ کے احوال مقدسہ کو ''السیر'' اور ''کتاب السیرۃ'' کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ پیش نظر رہے کہ اوّلین سیرت نگاروں نے اس کے لیے ''لغازی'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مدنی زندگی میں نوخیز اسلامی ریاست کو مسلسل کفار، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مختلف مراحل پر متنوع امور میں کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ جاں گسل کشمکش اور کھچاؤ بسا اوقات جنگ کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ اقامتِ

Marfat.com

دین کے لیے ایسی جنگوں میں، جن کی کمان رسول کریم ﷺ خود سنبھالتے، اصطلاح میں مغازی کہلاتی ہیں۔ جن کی تعداد اٹھائیس سے زائد ہے اور ایسے معرکے اور جھڑپیں جن کی کمان آپ ؐ نے اپنے صحابہؓ کے سپرد کی، سیرت کی اصطلاح میں ''سرایا'' کہلاتے ہیں اور ان کی تعداد چون کے قریب ہے۔ ان بیاسی غزوات و سرایا میں ۲۵۹ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے جب کہ دشمن کے ۷۵۹ افراد ہلاک ہوئے۔ مسلمانوں کا صرف ایک فرد قیدی بنا، جب کہ دشمن کے ۶۵۶۴ سپاہی قیدی بنا لیے گئے۔ ان میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو موقع پر ہی رہا کر دیا گیا، صرف دو قیدیوں کو ان کے گزشتہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ ۲۱۵ قیدیوں کے بارے میں تفصیلات ہنوز تحقیق طلب ہیں، کہ ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا گیا۔ آپ ؐ کے اسوۂ حسنہ کے باعث یقین غالب ہے کہ انہیں بھی رہا کر دیا گیا ہوگا شاید انہیں کچھ خدمات انجام دینے کے باعث رہا کر دیا گیا ہوگا۔ تاریخ انسانی کا یہ سب سے امن پسندانہ انقلاب تھا جو اس قدر کم نقصان کے ساتھ تکمیل پذیر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کا یہ جہاد بھی امن کے قیام اور فتنہ وفساد کے استیصال کے لیے جاری رہا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ نبوی کے دو دور ہیں، ان میں سے ایک تیرہ سالہ مکّی زندگی ہے، جس سے قبل آپ ؐ نے چالیس سال تک ایک بے داغ کردار کے ساتھ پاکیزہ زندگی کا قابلِ رشک نمونہ عربوں کی جاہلیت کے سامنے پیش کیا، جبکہ دوسرا مدنی عہد کا دس سالہ مبارک دور ہے، جس میں اسلامی ریاست چار مربع کلومیٹر سے شروع ہوئی تو آپ ؐ کے عہد رسالت میں تیرہ لاکھ مربع میل تک پھیل گئی۔ اس ریاست کو آپ ؐ نے ایک آئین اور دستور عطا کیا۔ تمام ریاستی اداروں کی مثالی تشکیل کی اور قیامت تک کے لیے افراد کی ایمانی، اخلاقی اور روحانی بالیدگی کا پیغام دیا۔ اس کے ساتھ اسلامی ریاست اور اس کے عدل اجتماعی کے لیے تمام اداروں کی داغ بیل ڈالی [یوں یہ آپ ﷺ کی سیرت کا اعجاز ہے کہ عرب کے بدو اور صحرا نشین، جہانگیر، جہاندار، جہانبان اور جہان آرا بن گئے۔ تاریخ انسانی میں یہی ایک سیرت ہے جو قیامت تک انسانیت کی فوز وفلاح اور ان کی آخرت میں کامیابی وکامرانی کا ضابطہ پیش کرتی ہے۔ اس سیرت کا یہ اعجاز ہے کہ اگر ایک طرف ہزاروں مسلمانوں نے آپ کی سیرت مقدسہ پر

Marfat.com

قلم اٹھایا ہے تو دوسری طرف ہر مذہب و ملت کے سیکڑوں غیر مسلم مصنفین نے آپؐ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ اللھم صل علی محمد ......

سیرت نگاری کی ابتداء عربی زبان میں ہوئی۔ بعد ازاں دوسری زبانوں میں بھی اس کے کامیاب نمونے ملتے ہیں۔ مگر تقابل و تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جو ذخیرۂ سیرت اردو زبان و ادب میں پیش کیا گیا ہے، وہ کئی لحاظ سے انفرادیت کا حامل ہے۔ ''تواریخ حبیب الٰہ'' کو اگر اردو میں سیرت کی پہلی کتاب تسلیم کر لیا جائے اور اس طرح قاضی صبغت اللہ کی ''فوائد بدریہ'' کو جنوبی ہند میں سیرت کی اوّلین کتاب قرار دیا جائے تو اردو سیرت نگاروں کا زریں عہد انیسویں صدی کے اختتام اور بیسوی صدی کے ربعِ اوّل سے شروع ہوتا ہے۔ سر سید احمد خان (۱۸۱۷ـ۱۸۹۸ء) کی "الخطبات الاحمدیه فی سیرة المحمدیه" (۱۸۷۰ء) ہمارے نزدیک اردو کی سیرت نبوی پر اوّلین تحقیقی کتاب ہے، جو سر ولیم میور کی کتاب کے جواب میں تحریر کی گئی مگر افسوس کہ وہ اس تمام کتاب کا جواب نہ لکھ پائے مگر انہوں نے اردو زبان میں تحقیقِ سیرت کا ایک کامیاب نمونہ پیش کیا۔ علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ـ۱۹۱۴ء) اور سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی ﷺ'' اردو زبان میں علمی تحقیق کا نادر نمونہ ہے مگر قاضی سلیمان سلمان منصور پوری (۱۸۶۷ـ۱۹۳۰ء) کی ''رحمۃ اللعالمینؐ'' کی تین جلدیں اردو زبان میں اپنے تحقیقی مزاج اور اسلوب عقیدت کی بنا پر ممتاز کاوش ہے۔ شبلی اور ندوی کا کارنامۂ سیرت اگر صاحب دماغ حضرات کا کرشمہ ہے تو قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی تصنیفی کاوش ایک صاحبِ دل کی سوغات ہے۔ ان حضرات کے بعد سیکڑوں مصنفین کی کتابیں اردو زبان میں ملتی ہیں............ مگر ان میں ایک ممتاز اور منفرد نام میاں فضل کریم خاں درانی کا ہے۔

میاں فضل کریم خان درانی (۱۸۹۴ءـ۱۹۴۶ء) ہوشیار پور کی بستی بابو خان میں پیدا ہوئے۔ میٹرک مشن ہائی سکول جالندھر سے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور سے ۱۹۱۴ء میں ایف اے اور ۱۹۱۴ء میں بی اے کے امتحان پاس کیے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کشمیر کے ایک ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ انگریزی زبان پر اپنی قدرت کے لحاظ سے ان کی خوب شہرت تھی۔ اسلامی

Marfat.com

تعلیمات سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ بدقسمتی سے ۱۹۲۰ء کے قریب قادیانیت کے دامِ تزویر میں آ گئے۔ قادیانی مشن نے انہیں اپنی تبلیغ کے لیے یورپ بھجوا دیا، جہاں وہ انگلستان، جزائر غرب الہند اور جرمنی میں رہے۔ کچھ وقت امریکہ میں بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے باعث قادیانیت کا طلسم اُن پر کھل گیا اور یہ قیام یورپ کے دوران ہی اس سے تائب ہو کر ۱۹۲۸ء میں ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ یہاں پر انہوں نے اٹھارہ سال تک برصغیر کی سیاسی اور فکری کشمکش میں قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبالؒ کے سیاسی اور ثقافتی تشخص کے حوالے سے متعدد کتابیں تحریر کیں، صحافیانہ مشن کے سلسلے میں انگریزی صحافت میں ان کا نام ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ قائداعظم نے انہیں سیاسی عبقری قرار دیا تو علامہ محمد اقبال نے ان کی علمی کوشش کی تحسین و تعریف کی ہے۔

میاں فضل کریم خاں درانی نے انگریزی زبان میں سیرت پر تین مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

1- *The Great Prophet(SAW)*

2- *Muhammad The Prophet(SAW)*

3- *The Last Prophet(SAW)*

ان میں سے پہلی کتاب ۱۹۳۱ء میں قومی کتب خانہ، لاہور سے شائع ہوئی جب کہ دوسری کتاب ان کے رسالے **Truth** کے دفتر سے ۱۹۳۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ جس کا مقدمہ معروف مترجم قرآن عبداللہ یوسف علی نے لکھا ہے۔ ان کی سیرت پر تیسری اور آخری کتاب ۱۹۳۷ء میں تبلیغ لٹریچر کمپنی لمیٹڈ، لاہور سے شائع ہوئی۔ اس طرح انہوں نے حدیث کی ایک کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا بھی انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ جسے بجا طور پر اعمال و افکارِ سیرت کے ضمن میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ انگریزی زبان میں درّانی مرحوم کی سیرت پر پہلی کتاب ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تو علامہ محمد اقبالؒ نے اس پر رائے دیتے ہوئے لکھا:

''کتاب عوام بالخصوص مسلمان طلباء کے لیے بے حد مفید ہے۔ زبان صاف اور سلیس ہے

Marfat.com

اور اندازِ بیان مؤثر۔ میری رائے میں اگر مصنف اسی انداز پر تاریخ اسلام کے باقی حصوں پر، اس قسم کے مختصر مقالے لکھ ڈالے، تو بڑی خدمت ہوگی۔"

سیرت نبوی پر درّانی مرحوم کی دوسری کتاب ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی تو آئینۂ ادب لاہور کے مالک شیخ عبدالسلام، درّانی صاحب کی فہمائش پر اسے لے کر علامہ محمد اقبال کے پاس حاضر ہوئے۔ علامہ مرحوم نے کتاب کو سرسری نظر سے دیکھا تو اس کے ناشر عبدالسلام سے اپنے تکیے کے نیچے سے تمام رقم جو کہ ۶۸ روپے تھی، اٹھا لینے کا حکم دیا، تاکہ اس کتاب کو مستحق لوگوں میں دعوتی نقطۂ نظر سے تقسیم کیا جا سکے۔ اس دور میں علامہ محمد اقبال خود بھی پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں قادیانیت کے خلاف معرکہ آرا تحریر قلم بند کر رہے تھے۔ اس کتاب مذکور پر رائے دیتے ہوئے اقبال نے لکھا:

"Brings The reader into closer contact with the personality of the Holy Prophet(SAW)"

"اس کتاب کا مطالعہ ایک قاری کا نبی مکرم ﷺ کی شخصیت سے قریبی رابطہ پیدا کر دیتا ہے۔"

میاں فضل کریم خان درّانی کی تیسری اور آخری سیرت کی کتاب "The Last Prophet(SAW)" پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے لکھا:

"Mr.Durrani has made a unique effort in this essay to prove the finality of prophethood in Islam. I think by virtue of his love of the Holy Prophet(SAW) and his study of Islamic literature. He is well fitted to write a life of the Holy Prophet(SAW) from a new angle of vision."

"مسٹر درانی نے اس مضمون میں اسلام میں ختم نبوت کے اثبات پر ایک منفرد کوشش کی

Marfat.com

ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے محبت و عقیدت کے باعث اور اسلامی ادبیات کے گہرے مطالعے کی وجہ سے وہ (درّانی) اس لائق ہیں کہ وژن اور شعور کے ایک نئے تناظر میں نبی مکرم ﷺ کی سوانحِ حیات کو پیش کریں۔"

علامہ محمد اقبال کی درّانی مرحوم کی سیرت کی کتابوں پر ان آرا سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سیرت نگاری کے اس اسلوب اور منہج کو کس قدر پسند کرتے تھے۔ ان کی سیرت نگاری پر صلاحیتوں کے کس درجہ معترف تھے۔ قادیانیت سے تائب شخص کے دل و دماغ میں انوار کا ایک ایسا جہان آباد ہو جاتا ہے کہ جس کے کیف و سرور کا ایک عجیب منظر ان کتابوں میں موجزن دکھائی دیتا ہے۔

پیش نظر کتاب "سرورِ دو عالم ﷺ" میاں فضل کریم خاں درّانی کی انگریزی کتاب "The Great Prophet(SAW)" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں پیکو آرٹ پریس، لاہور سے شائع ہوا۔ طبعِ اوّل کا دیباچہ "پیغام حق" کے مدیر محمد شاہ نے تحریر کیا۔ اس دیباچے کی ابتداء میں وہ لکھتے ہیں:

"سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ، وہ گراں پایہ ہستی ہیں کہ آپ کی غلامی کی سعادت حاصل کیے بغیر کوئی شخص محبوبِ خدا بن ہی نہیں سکتا اور آپ ﷺ کی غلامی کی سعادت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جب انسان آپ ﷺ کے سوانحی حالات سے بخوبی واقف ہو۔ چنانچہ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی ہیں مگر کوئی کتاب ایسی نہیں جو ہر طبقہ کے لیے یکساں موزوں اور مفید ہو۔"

"سرورِ دو عالم ﷺ" انیس ابواب پر مشتمل ہے۔ جس کا ہر باب ضمنی عنوانات سے آراستہ ہے۔ یہ کتاب سیرت پر بیش بہا معلومات کا خزانہ فراہم کرتی ہے۔ مصنف نے ان معلوماتِ سیرت کو ایک ایسے سادہ اور دل نشین اسلوب میں پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا ان واقعات اور صاحب سیرت ﷺ کی ذات سے ایک خاص محبت اور عقیدت محسوس کرنے لگتا ہے۔ مجھے اس تصنیفِ لطیف کے پہلے ایڈیشن کے دیباچہ نگار کی اس رائے سے کلّی اتفاق ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ ہر عمر اور ہر طبقہ کے افراد

Marfat.com

کے لیے یکساں مفید و مؤثر ہے، بالخصوص میں اسے سکولوں اور کالجوں کے طلبا اور طالبات کے لیے از حد مفید تصور کرتا ہوں۔ گھریلو خواتین بھی اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ کر سکتی ہیں۔ عامۃ الناس کے لیے اگر یہ کتاب ایک درسِ حیات ہے تو دینی سکالرز اور دانش وروں کے لیے بھی اس کی بعض معلومات سوغات سے کم درجہ نہیں رکھتیں۔

۱۷ اء جون ۲۰۰۲ء کو درانی مرحوم کے خاندان کے چند افراد ''بیت الحکمت''، لاہور میں جمع ہوئے اور انہوں نے اس نابغۂ عصر کے علمی کارناموں کے احیاء کے لیے ''درّانی فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک ادارے کی بنا ڈالی۔ بیت الحکمت، لاہور، جو کہ ملکِ عزیز پاکستان میں ایک معروف علمی اور تحقیقی ادارہ ہے، اس کے پچاس ہزار کتب کے ذخیرے میں ایک درجن سے زائد میاں فضل کریم خاں درّانی کی اُردو اور انگریزی مؤلفات بھی موجود ہیں۔ درّانی خاندان کے ایک ہونہار چشم و چراغ کیپٹن خالد درّانی نے ''درّانی فاؤنڈیشن'' کے قیام میں والہانہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور ان کی باقی ماندہ کتب کی نقول بیت الحکمت کے لیے فراہم کیں۔ ''درّانی فاونڈیشن'' کی ویب سائٹ بھی تیار ہو چکی ہے۔ بیت الحکمت کے لیے یہ بات ایک اعزاز اور افتخار کا درجہ رکھتی ہے کہ درانی فاونڈیشن کے تعاون سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آ رہی ہے۔ اس اشتراک عمل سے ان کی مزید کتابیں بھی ان شاء اللہ بہت جلد قارئین کی دسترس میں ہوں گی، جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال اس شخصیت کے قدردان کیوں تھے؟ بیت الحکمت کے انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز میں اس وقت اٹھارہ زبانوں میں تین ہزار سے متجاوز کتب و رسائل صرف سیرت کے موضوع پر موجود ہیں۔ (جو پوری دنیا میں ایک ممتاز اور عظیم ذخیرۂ سیرت ہے۔) اس ادارے کی جانب سے سیرت کے موضوع پر چند اہم کتب فنی تدوین کے جملہ ضوابط اور محاسن کے ساتھ ان شاء اللہ العزیز جلد شائع ہوں گی۔

''سرورِ دو عالم ﷺ'' کی تدوین کے سلسلے میں املا کے جدید معیار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ چند قدیم معلومات کی تجدید کی گئی ہے اور بعض مقامات پر حواشی و تعلیقات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ درّانی فاونڈیشن (کراچی) اور بیت الحکمت (لاہور) کی یہ مشترک کاوش رسالت مآب صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے ساتھ ذوقِ حضوری کی تربیت کا ذریعہ بنے گی۔

سیرت النبی ﷺ کی اس سوغات کی پیش کش میں مجھے درّانی فاونڈیشن اور درّانی خاندان کے افراد کا جو عملی تعاون دستیاب ہوا، اس کے بغیر، اس کتاب کی اشاعت ممکن نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو عامۃ المسلمین بالخصوص نوجوانوں کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین یارب العالمین

۲۹۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

۲۵۔ نومبر ۲۰۰۳ء

العبد المذنب

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز

بیت الحکمت، ۱۰۹ حبیب پارک، ملتان روڈ، لاہور

Marfat.com

پہلا باب

محبوب دو عالم ﷺ

اسلامی برادری

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک سو چالیس کروڑ کے قریب ہے کسی ملک میں جا نکلو، کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی مسلمان ضرور نظر آ جائے گا۔ بحیرۂ قلزم سے لے کر بحرِ اوقیانوس تک اور بحیرۂ روم سے لے کر خطِ استوا تک تمام شمالی افریقہ اسلامی ہے اور اب تو مسلمان خطِ استوا سے بھی آگے پھیل رہے ہیں۔ مشرقی اور جنوبی افریقہ میں ان کی بڑی بڑی آبادیاں ہیں۔ وسطی اور مغربی ایشیا کے ملک یعنی ترکستان، افغانستان، ایران، عراق، عرب، ترکی، شام فلسطین اور عرب خالص اسلامی ممالک ہیں، صرف آرمینیا شام اور فلسطین میں تھوڑی سی عیسائیوں کی آبادی ہے اور فلسطین میں کچھ یہودی بھی ہیں (مگر افسوس کہ مغربی استعمار کے تعاون اور سرپرستی سے اب یہاں اسرائیل کا ناپاک وجود قائم ہو چکا ہے) یورپی ترکی کسی زمانے میں بہت بڑی سلطنت تھی، اب علاقہ تھوڑا رہ گیا ہے لیکن جو کچھ بھی ہے خالص اسلامی ہے۔ یوگوسلاویہ کی ایک تہائی آبادی مسلمان ہے۔ بحیرۂ اڈریاٹک کے ساحل پر البانیہ ایک چھوٹی سی سلطنت ہے جو اسلامی ہے۔ بلغاریہ اور رومانیہ میں بھی مسلمان بکثرت پائے جاتے ہیں۔ (الحمدللہ کہ اب یہاں بڑی قربانیوں اور شہادتوں کے بعد بوسنیا اور کوسووا کی اسلامی ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔) پولینڈ میں اسلامی آبادی بہت بڑی ہے اور روس میں تو مسلمانوں کی آبادی کئی لاکھ موجود ہے (جو افغانستان میں روسی شکست کے بعد اب کئی عظیم مسلمان ریاستوں میں آباد ہے) چین میں چار کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ جزائر ملایا میں پچیس کروڑ ہیں۔ ہندوستان میں بیس کروڑ اور تبت، لنکا، جزائر فلپائن اور بحر الکاہل کے دوسرے جزائر میں مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں ہیں۔ مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں جرمنی، انگلستان، فرانس، ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے

Marfat.com

شہروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔اور برطانوی اور ولندیزی غرب الہند میں کئی لاکھ کی آبادی ہے۔

یہ ایک سو چالیس کروڑ مسلمان جو دنیا میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں، کون ہیں؟ وہ کسی ایک نسل یا کسی ایک قوم سے تو نہیں ہیں۔ان میں افریقہ کے سیاہ فام بھی ہیں اور یورپ کے سرخ وسفید رنگ والے بھی۔ خاکی بھی ہیں اور چینیوں کی طرح زرد رو بھی۔عرب، ترک، ایرانی، افغان، آریہ، تبّتی، چینی، روسی، پولی، جرمن، انگریز، فرانسیسی، حبشی، غرض یہ کہ دنیا کی سب نسلوں اور قوموں کے لوگ ان میں پائے جاتے ہیں (اسلام کی فطری اور عالمگیر دعوت کے باعث ہر سال لاکھوں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔) دور دور کے ملکوں میں رہتے ہیں۔کوئی کسی قوم سے واسطہ رکھتا ہے اور کوئی کسی سے۔طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں، لیکن ان سب اختلافات کے باوجود وہ ایک ہی برادری میں شامل ہیں۔وہ سب ہمارے بھائی بند ہیں، کیونکہ ان سب کا دین ایک ہی ہے، سب کے سب اسلام پر ایمان رکھتے ہیں، وہ صرف ایک اللہ کو مانتے ہیں جو ساری کائنات اور زمین و آسمان کا رب ہے۔یہ ستارے جو ہمارے سروں پر گردش کرتے پھرتے ہیں اور وہ عالم جو ان سے بھی بہت پرے ہیں اور ہمیں نظر نہیں آتے وہ سب کے سب اسی ایک خدائے وحدہ لاشریک کی حکومت میں ہیں۔وہ اللہ تمام قوموں کا رب ہے، اور کالے ہوں کہ گورے، امیر ہوں کہ غریب، اس کی نظر میں سب برابر ہیں۔یہ دنیا کے ایک سو چالیس کروڑ انسان جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، یہ بھی مانتے ہیں کہ مسلمانوں کے قائد حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں اللہ کے آخری رسولؐ اور نبی ہیں۔

ہمارے رسولؐ

سرور دو عالم ﷺ انسان کامل تھے (اور ہیں)۔سب سے افضل تھے (اور ہیں)۔دنیا کی تاریخ میں کوئی انسان ایسا نہیں گذرا جو آپ کی برابری کر سکے۔دنیا میں بہت پیر پیغمبر آئے لیکن بزرگی، اخلاق اور معرفت الٰہی میں آپؐ کی برابری کو کوئی نہ پہنچا۔موسیٰ علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام، حضورؐ کا پایہ سب سے بلند ہے۔حضور ﷺ یتیم پیدا ہوئے۔مگر ہجرت مدینہ کے بعد ریاست کے حکمران بن گئے لیکن زندگی کے آخری دن تک نہایت سادگی میں عمر بسر کی۔ہمدردی آپؐ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔خلق خدا کی

Marfat.com

خدمت اور محبت سچے دل کے ساتھ کرتے تھے۔غریبوں اور بے کسوں کے لیے حضورؐ کا دل رحم اور شفقت سے بھرا رہتا تھا۔ بیواؤں اور یتیموں کا سہارا تھے۔آپؐ کی زندگی نہایت پاک اور آپؐ کے اخلاق نہایت کریمانہ تھے۔حضور ﷺ کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل کردی گئی اور راستی، صداقت اور پاکبازی کی وہ وہ باتیں سکھائیں جو دنیا والوں کو پہلے معلوم نہ تھیں۔حضور ﷺ نے اپنی تمام زندگی، اپنی تمام قوتیں اور اپنا تمام مال ومتاع خلق خدا کی خدمت میں صرف کردیا۔آپؐ کا چلن نہایت عمدہ اور آپؐ کی سیرت نہایت پیاری اور محبت کے لائق تھی۔حضور ﷺ کی خوبیوں کی وجہ سے قوم بھی آپؐ سے محبت رکھتی تھی۔صحابہؓ دل وجان سے آپؐ پر فدا تھے۔اور انہوں نے حضورؐ کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ آپ ﷺ کی امت کو آج تک آپؐ کے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ نہیں۔اور سچ پوچھو تو آج تک کبھی کسی پیغمبر کی امت نے اپنے ہادی کے ساتھ ایسی محبت نہیں دکھائی۔جیسی کہ مسلمانوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دکھائی ہے۔آپؐ سب سے پیارے نبی ہوئے ہیں۔

اسلام کی تعلیم

بس یہ ہے لب لباب اسلام کا جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ ہم اللہ کو ایک مانیں جو سیاہ و سفید سب قوموں کا یکساں ربّ ہے۔اسی کے آگے سر جھکائیں۔سب انسانوں کو اپنے برابر اور اپنا بھائی سمجھیں۔ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کریں۔انہیں اپنا جان کر سچے دل سے ان کی خدمت کریں۔اور جس ذات پاک یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو یہ باتیں سکھائیں ان سے محبت رکھیں۔روزمرہ کے کاروبار میں آپؐ کی مثال کی پیروی کریں اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔جس شخص کے دل میں محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں وہ مسلمان نہیں کہلاسکتا اور یہ حضورؐ کی محبت و اطاعت کے طفیل ہی ہے کہ یہ ایک سو چالیس کروڑ انسان جو دور دراز ملکوں میں رہتے ہیں اور طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں ایک برادری اور ایک خاندان بنے ہوئے ہیں۔

ہم اِس کتاب میں اس عظیم الشان انسان کی زندگی کے حالات بیان کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

دوسرا باب

ملک عرب

مکّہ مکرمہ

مسلمان کہیں ہوں، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، شمال میں ہوں یا جنوب میں، جب نماز پڑھتے ہیں تو مکّہ معظمہ (میں بیت اللہ) کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ مکّہ معظمہ میں ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے۔ جس کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں اور کعبۃ اللہ بھی۔ یہ عبادت گاہ اسلامی دنیا کا مرکز ہے اور نماز میں ہم اسی مرکز کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں مسلمان دنیا کے چاروں کونوں سے آ کر مکّہ معظمہ میں جمع ہوتے اور حج کرتے ہیں۔ مکّہ مسلمانوں کے نزدیک نہایت متبرک شہر ہے، کیونکہ کعبہ کی مرکزی مسجد یہیں واقع ہے۔ حضور سرور دو عالم ﷺ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور حضورؐ نے اپنی عمر کے پہلے ترپن برس یہیں گزارے تھے۔

مدینہ منورہ

مکّہ معظمہ کے شمال کی جانب اونٹ کی سواری سے دس دن (اور اب بس یا کار کے ذریعے چار گھنٹے) کی مسافت پر اسلام کا دوسرا متبرک شہر ہے، جسے مدینہ منورہ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال اسی شہر میں بسر کیے تھے۔ یہیں حضورؐ نے وفات پائی اور یہیں آپؐ کا روضۂ مبارک ہے۔ مدینہ کو پہلے یثرب کہا کرتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کر کے یہاں تشریف لے آئے تو اس کا نام "مدینۃ النبی" یعنی نبی ﷺ کا شہر پڑ گیا۔ جو ہوتے ہوتے صرف مدینہ رہ گیا۔ جب حاجی مکّہ معظمہ میں حج کر چکتے ہیں تو اپنے وطنوں کو لوٹنے سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے روضہ کی زیارت کو جاتے ہیں۔

عرب کا جغرافیہ

عرب کا ملک براعظم ایشیا کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے۔ اس کے تین طرف پانی ہے

۱۲۷۱۵۱

Marfat.com

یعنی مغرب میں بحیرۂ قلزم، مشرق میں خلیج فارس اور بحیرہ عرب اور جنوب میں بحرِ ہند ہے۔ جنوب میں افریقہ، عرب سے بہت قریب ہے۔ درمیان میں صرف ایک تنگ آبنائے ہے۔ جسے باب المندب کہتے ہیں۔ عرب کے شمال مشرق میں عراق عرب۔ شمال مغرب میں فلسطین، شام اور جزیرۂ نمائے سینا، اور عین شمال میں صحرائے شام واقع ہیں۔

عرب ایک بڑا جزیرہ نما ہے۔ پندرہ سو میل لمبا اور آٹھ سو میل چوڑا ہے۔ پیداوار اس میں بہت کم ہوتی ہے۔ بڑا حصہ تو ریگستانوں اور چٹیل پتھریلے پہاڑوں سے پٹا پڑا ہے اور اتنے بڑے ملک میں دریا ایک بھی نہیں۔

مشرقی ساحل پر صرف تین خطے آبادی کے قابل ہیں، یعنی بحرین، عمان اور مسقط (یہاں اب بہت سی مسلمان ریاستیں سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہیں) ان کے آگے ریگستان بیاباں ہے۔ جنوب میں حضرموت کا پہاڑی علاقہ ہے۔ جس میں بہت سی زرخیز وادیاں ہیں۔ جن میں گندم، مکئی اور دوسرے اناجوں کی سیر حاصل فصلیں ہوتی ہیں، حضرموت کے مشرق کی طرف مہرا کا علاقہ ہے۔ یہاں کی اونٹنیاں جن کو مہری کہتے ہیں تیز رفتاری کے لیے مشہور ہیں۔

حضرموت کے مغرب اور عرب کے جنوب مغربی کونے میں یمن کا نہایت شاداب صوبہ ہے۔ ملک عرب میں اس سے زیادہ زرخیز اور کوئی علاقہ نہیں۔ یہاں پانی کی کوئی کمی نہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ اناج کثرت سے ہوتے ہیں۔ کھجور، انگور اور قسم قسم کے مسالے بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ مُخہ (یمن کے ایک شہر) کا قہوہ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ کسی دوسرے ملک کا قہوہ لذت میں اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ یمن کا ملک قدیم زمانے میں اپنی قدرتی پیداوار خاص کر مسالوں کے لیے بہت مشہور تھا۔ رومیوں نے اسی لیے اس کا نام "عرب سعید" رکھا تھا۔

یمن سے شمال کی طرف صوبہ عسیر واقع ہے۔ اصل میں یہ یمن کا ہی ایک حصہ ہے۔ بہت سرسبز اور شاداب ملک ہے۔ قدیم سبائی سلطنت جس کا دارالخلافہ مآرب میں تھا، اسی ملک میں تھی۔ مشہور ملکہ سبا جس کا ذکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعلق میں آتا ہے، اسی ملک کی حکمران تھی۔

حضرموت کے شمال عسیر کے مشرق اور عمان و مسقط کے مغرب میں ایک بہت بڑا ریگستان ہے جسے ریت کا سمندر کہیں تو بجا ہے۔ ملک عرب کے سارے رقبے کا ایک چوتھائی حصہ اس ریگستان

Marfat.com

سے گھرا ہوا ہے۔ اسی لیے اس کو ربع الخالی کہتے ہیں۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے سوائے ریت کے کچھ نظر نہیں آتا۔ دوپہر کی دھوپ میں اس کی سفید ریت چمکتی ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ درختوں اور پودوں کا تو کیا ذکر، گھاس کا تنکا تک اس میں پیدا نہیں ہوتا۔ فروری ۱۹۳۱ء سے پہلے کبھی کسی شخص نے اس ریگستان کو عبور نہیں کیا تھا اس سال مسٹر ٹامس نامی ایک انگریز نے اس کو پہلی دفعہ عبور کیا۔ مسٹر ٹامس نے اس ریگستان میں ایک چھوٹی سی جھیل بھی دریافت کی۔ لیکن اس کا پانی پینے کے قابل نہ تھا۔ (اب جدید آب پاشی کے ذرائع کے باعث اس صحرا کے بہت سے حصے زرخیز اور شاداب علاقوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔)

ریت کے اس سمندر کے شمال میں نجد کا صوبہ واقع ہے۔ نجد ملک عرب کا دل اور بدوؤں کا پیارا وطن ہے۔ نجد کا جنوبی علاقہ جسے یمامہ کہتے ہیں بہت شاداب اور زرخیز ہے۔ اور گیہوں اور کھجوریں یہاں کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ نجد کے شمال اور مشرق میں ایک اور ریگستان ہے جسے نفوذ کہتے ہیں۔ اس کی ریت بہت باریک اور سرخ رنگ کی ہے۔ جب مینہ برستا ہے تو اس پر سبز گھاس کا ایک بچھونا بچھ جاتا ہے۔ جو مویشیوں کے لیے بڑی نعمت ہے۔ اس علاقے کے اونٹ نہایت تیز رفتار ہوتے ہیں۔ نفوذ اور صحرائے شام کے درمیان جبل شمرؔ واقع ہے۔ اس پہاڑ کی آغوش میں بہت سی سرسبز اور زرخیز وادیاں ہیں جن میں نہایت اچھا گیہوں پیدا ہوتا ہے۔ عورتیں نہایت حسین اور گھوڑے نہایت خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔

نفوذ و نجد کے مغرب، عسیر کے شمال اور بحیرۂ قلزم کے مشرقی ساحل پر ملک حجاز کی پاک سر زمین ہے۔ یہی ارض مقدس اسلام کا گہوارہ ہے۔ اسلام کے نہایت مقدس شہر مکہؔ معظمہ اور مدینہ منورہ اسی صوبے میں واقع ہیں۔ اس کتاب میں زیادہ تر حجاز کا ہی ذکر ہوگا۔ اس صوبے کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے کو تہامہ کہتے ہیں۔ یہ تنگ خطہ ہے جو بحرۂ قلزم کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال سے جنوب تک چلا جاتا ہے۔ کہیں پانچ میل چوڑا ہے کہیں دس یا بیس میل مگر تیس میل سے زیادہ چوڑا کہیں نہیں۔ تہامہ سے آگے پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ جسے جبل السراۃ کہتے ہیں۔ یہ دو گھاٹیوں کا سلسلہ ہے۔ جو برابر برابر فاصلہ پر شام سے یمن تک پھیلی ہوئی ہیں۔ حجاز اصل میں اسی پہاڑی علاقے کا نام ہے۔ یہ پہاڑیاں سیاہی مائل اور بالکل برہنہ ہیں۔ درخت پودے گھاس وغیرہ ان پر نام کو بھی نہیں لیکن پہاڑیاں لگاتار نہیں جاتیں۔

Marfat.com

ان کے سلسلے کہیں کہیں سے ٹوٹے ہوئے ہیں جہاں نہایت سرسبز اور زرخیز وادیاں کھیتوں اور پھل دار درختوں سے لہلہاتی ہیں۔ان میں مدینہ، خیبر، تیمہ اور فدک بہت مشہور ہیں۔مکّہ معظمہ بھی سمندر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک وادی میں واقع ہے۔لیکن اس کی زمین سنگلاخ اور پتھریلی ہے۔زراعت کے قابل نہیں۔اس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا اسی لیے اس کو وادی غیر ذی زرع کہتے ہیں۔طائف کا پہاڑی شہر مکّہ معظمہ سے ستر میل جنوب مشرق کو واقع ہے اور پھلوں کے لیے بہت مشہور ہے۔یہاں کے انگور بڑے بڑے اور میٹھے ہوتے ہیں اور آڑو، انار، سیب، بادام انجیر، خوبانی اور بھی نہایت خوش ذائقہ اور کثرت سے ہوتی ہیں۔شہر چونکہ بلندی پر ہے۔اس لیے آب وہوا معتدل ہے۔مکّہ کے امرا گرمی کے مہینے اسی شہر میں بسر کرتے ہیں۔

عرب میں اونٹ نہایت مفید جانور ہے۔عرب اس کا گوشت کھاتے اور اس کی اون کے کپڑے بناتے ہیں۔اونٹ کئی دن تک بغیر پانی کے رہ سکتا ہے۔عرب کے ریگستانوں میں پانی کم ملتا ہے سفر میں کئی کئی دن نظر نہیں آتا۔اس لیے اس ملک میں سفر اور بار برداری کے لیے اونٹ سے زیادہ کوئی مفید جانور نہیں ہوسکتا۔اسی وجہ سے یورپ کے لوگ اونٹ کو ریگستان کا جہاز کہتے ہیں۔اس کے چوڑے ہموار اور گدی دار پاؤں ریت پر چلنے کے لیے بہت موزوں ہوتے ہیں۔

عرب گھوڑوں کے عاشق ہوتے ہیں۔ان کو اپنے گھوڑوں کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے جیسی اپنے بچوں کے ساتھ۔خوبصورتی، تیز رفتاری، چستی اور سبک پن کے لیے عربی گھوڑا تمام دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔گھوڑے کی اچھائی برائی اس کی پرورش پر اور اس کے ماں باپ کی اچھائی برائی پر منحصر ہوتی ہے۔اس کے ماں باپ کی اچھائی برائی ان کے ماں باپ کی اچھائی برائی پر منحصر ہوگی۔چنانچہ گھوڑے کی خوبیاں پشت بہ پشت اسی طرح ایک کو دوسرے سے ورثے میں ملتی ہیں۔گھوڑے کی قیمت اس کے حسب نسب سے لگائی جاتی ہے۔ہمارے زمانوں میں دوڑوں کے لیے گھوڑے پالے جاتے ہیں۔ان گھوڑوں کے شجرے کئی کئی پشت تک بڑی احتیاط کے ساتھ تیار کیے جاتے ہیں۔گھوڑوں کے شجرے رکھنے کا دستور عربوں سے شروع ہوا تھا۔اس بات میں وہ لوگ بہت احتیاط برتتے تھے۔کیونکہ اکثر جنگوں میں مصروف رہتے تھے اور جنگ میں سپاہیوں کی جانوں اور لشکروں کی قسمت کا فیصلہ بعض اوقات صرف ان کے گھوڑوں کی خوبیوں پر منحصر ہوتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

تیسرا باب

اہلِ عرب

عرب میں شہر بہت تھوڑے ہیں۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور بھی کم تھے، اور شہروں اور دیہات میں بسنے والی آبادی بھی تھوڑی تھی۔ آبادی کا زیادہ حصہ خانہ بدوش تھا۔ جو بھیڑوں اور اونٹوں کے گلے لیے چراگاہوں کی تلاش میں جگہ بہ جگہ پھرتا رہتا تھا۔ ان خانہ بدوشوں کو بدوی کہتے ہیں۔ ان کا رہنے سہنے کا طریقہ جو آج ہے، وہی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا۔ گلہ بانی ان کا پیشہ تھا۔ اونٹوں کا دودھ پیتے، ان کا گوشت کھاتے اور انہی کی اون اور بالوں سے اپنے خیمے اور پہننے کے موٹے جھوٹے کپڑے بنا لیتے تھے۔ دیہات اور شہروں میں رہنے والوں کی گزران زراعت پر تھی۔ وہ عموماً گیہوں، مکئی، جو اور کھجور کی کاشت کرتے تھے۔ کھجوریں عرب میں کثرت سے ہوتی ہیں اور کھجوریں ہی وہاں کے لوگوں کی بڑی خوراک ہیں۔ وادیوں کے علاوہ اس ملک کے ریگستانوں میں کہیں کہیں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے ہوتے ہیں۔ لوگ ان چشموں پر کنوئیں بناتے، کھجور کے بڑے بڑے باغ لگاتے اور گاؤں آباد کرتے ہیں۔ اس قسم کے چشموں اور باغوں کو نخلستان کہتے ہیں۔ وسیع ریگستانوں میں جہاں دور دور تک پانی کا قطرہ تک نہیں ملتا۔ سبزی اور گھاس کا نام و نشان نہیں ہوتا، وہاں اس قسم کے نخلستان بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ تھکے ماندے مسافر آ کر ٹھہرتے ہیں۔ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو صاف اور ٹھنڈا پانی پلاتے ہیں، گھنے درختوں کے سائے میں کچھ دیر آرام کرتے ہیں اور سفر کی اگلی منزل کے لیے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

عرب کی تجارت

مکّہ معظمہ کے رہنے والے تجارت پیشہ تھے۔ عربوں میں تجارت کی لیاقت پیدائشی ہوتی

Marfat.com

ہے اور اگلے زمانے میں عرب ملاح بہت دلیر اور باہمت ہوا کرتے تھے۔ وہ اپنے جہاز جزائر ملایا، لنکا اور ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہوں کو لے جاتے تھے، اور وہاں سے بیش قیمت مال تجارت بھر کر حضرموت کی بندرگاہوں میں لاتے تھے۔ حضرموت کی بندرگاہیں مدت ہوئی برباد ہو چکیں اور آج ان کی یاد بھی دلوں سے محو ہو چکی ہے۔ لیکن ان کے کھنڈرات اب بھی پائے جاتے ہیں اور ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ عرب کی بحری تجارت بہت وسیع اور نفع بخش تھی۔ حضرموت کی بندرگاہوں سے مال اونٹوں پر لادا جاتا تھا اور ہندوستان، لنکا، جزائر ملایا، چین، جاپان اور یمن کی قدرتی پیداوار اور مصنوعات سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں ہر سال جبل السراۃ کی گھاٹیوں پر سے ہو کر ملک شام کو جاتی تھیں۔ عرب سوداگر اپنا مال دمشق، بصرہ، یروشلم، فلسطین اور شام کے دوسرے شہروں میں بیچتے تھے۔ جس مال کی ان کو خود ضرورت ہوتی تھی وہاں سے خریدتے اور لاد کر اپنے ملک کو واپس آتے تھے۔ یہ مال پھر مکہ اور یمن کے دوسرے شہروں میں جا کر بکتا تھا۔ یہ سفر ہر سال ہوتے تھے اور ان کا سلسلہ صدیوں سے جاری تھا۔ یہ تجارت زیادہ تر مکہ والوں کے ہاتھ میں تھی۔

قوم کی کمزوری

عرب ایک نسل سے تھے اور سب کی زبان ایک تھی۔ لیکن وہ متحد قوم نہیں تھے۔ ساری قوم قبیلوں اور جرگوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک قبیلہ دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق ہوتا تھا۔ قدیم زمانے میں انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں بنائی تھیں اور دور دور کے ملک فتح کیے تھے۔ لیکن اس زمانے کو گذرے مدت ہو چکی تھی۔ سلطنتوں کا نام و نشان نہیں رہا تھا اور حضور ﷺ کے زمانے سے پہلے پڑوس کی سب قومیں عربوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی تھیں، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب کوئی قوم آپس میں اتفاق اور اتحاد نہیں رکھتی تو وہ ضرور کمزور ہو جاتی ہے اور کمزور کو سب حقارت سے دیکھا کرتے ہیں۔

عرب حکومتیں

تیسری صدی عیسوی کے وسط میں عراق عرب میں دریائے فرات کے مغربی کنارے سے

Marfat.com

تھوڑی دور شہر حیرہ میں عربوں نے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں ملک شام کے جنوبی علاقہ میں ایک اور عرب سلطنت کی بنیاد پڑی۔ اس ملک کے بادشاہ خاندان بنو غسان سے تھے۔ آہستہ آہستہ دونوں سلطنتیں عیسائی ہوگئیں اور ان کے ذریعے عیسائی مذہب آہستہ آہستہ شمالی عرب کے قبیلوں میں پھیلنا شروع ہوگیا۔ حیرہ کا بادشاہ ایران کے شہنشاہ کا باجگزار تھا اور غسانی بادشاہ قسطنطنیہ کے رومی قیصر کے ماتحت تھا۔ چونکہ رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگیں اکثر رہا کرتی تھیں، اس لیے حیرہ اور غسان کے بادشاہ اپنے اپنے آقا کے طرفدار ہوکر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ ان باہمی لڑائیوں سے دونوں سلطنتیں کمزور ہوکر فنا ہوگئیں۔ حیرہ کی سلطنت کو ایران نے ۶۰۴ء میں نگل لیا، اور رومیوں نے ۶۱۳ء میں غسانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

یمن

یمن کی قدیمی سلطنت کا حشر بھی بہت برا ہوا۔ ۵۲۳ء میں ایک خون خوار یہودی نے جس کا نام ذونواس تھا، تخت پر قبضہ کرلیا۔ ملک یمن میں ایک زرخیز علاقہ ہے، جسے نجران کہتے ہیں۔ اس کے باشندے عیسائی ہوگئے تھے اور ذونواس چاہتا تھا کہ ان کو یہودی بنالے۔ (یہ) ان کو بہت ستاتا اور دکھ دیتا تھا اور ایک موقعہ پر بیس ہزار عیسائی مرد، عورتوں اور بچوں کو اس نے یا تو قتل کردیا یا زندہ آگ میں جھونک دیا۔ جب قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ کے پاس اس ناحق کی خونریزی اور قتل عام کی خبر پہنچی تو اس نے حبش (ابی سینیا) کے بادشاہ کو جو عیسائی تھا اکسایا کہ جاکر ذونواس کو سزا دے۔ چنانچہ شاہ حبشہ نے ایک لشکر گراں یمن پر بھیجا ذونواس نے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن بحیرۂ قلزم میں غرق ہوا، اور حبش والوں نے ملک یمن پر قبضہ کرلیا۔ یمن کا پہلا حبشی وائسرائے تھوڑے ہی عرصہ بعد مرگیا اور ابرہہ [1] نامی ایک دوسرا حبشی جرنیل اس کا قائم مقام ہوا۔ اس نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک عالی شان گرجا بنوایا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا گرجا شہرت اور مقبولیت میں کعبہ سے بڑھ جائے اور عرب حج کرنے کی بجائے صنعا کو جایا کریں۔ مکہ کے دو عربوں کو جو اس پر

---

[1] حبش کی زبان میں ابراہیم کو ابرہہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

غصہ آیا تو گرجے میں غلاظت پھینک آئے اور اسے ناپاک کر دیا۔ اس پر ابرہہ کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے قسم اٹھائی کہ جب تک کعبہ کو مسمار نہ کروں گا، آرام نہ لوں گا۔ چنانچہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر مکہ پر چڑھ دوڑا۔

اصحاب فیل کی تباہی

مکہ والوں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ابرہہ کی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کی آمد پر وہ شہر چھوڑ کر بھاگ نکلے اور گرد و نواح کی پہاڑیوں میں پناہ لی، اور ابرہہ شہر پر حملہ کرنے کو تیار ہوا۔ اتنے میں اس کی فوج میں ایک خوفناک وبائی مرض پھوٹ پڑا جو شائد طاعون یا چیچک کی قسم سے تھا۔ ابرہہ اس سے لاچار ہو گیا اور اسے اپنا سا منہ لے کر یمن کو واپس ہٹنا پڑا۔ فوج چلتے چلتے راستہ کھو بیٹھی۔ چنانچہ کچھ تو بھوک پیاس سے فنا ہوئے اور باقی طاعون یا چیچک کی نذر ہو گئے۔ ابرہہ صنعا جا پہنچا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی وبائی مرض نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ مؤرخ ابن ہشام کا بیان ہے کہ یہی موقع تھا کہ طاعون پہلے پہل عرب میں نمودار ہوئی اس سے پہلے یہ وبا ملک عرب میں کبھی نہیں پھوٹی تھی۔ [1]

یہ واقعہ ۵۷۱ء میں ہوا۔ اور اس کے دو مہینے کے بعد حضرت رسول مقبول ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ ابرہہ کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹے باری باری یمن کے گورنر ہوئے۔ لیکن لوگوں کو حبشیوں سے نفرت تھی۔ انہوں نے شہنشاہ ایران کو دعوت دی کہ آ کر حبشیوں کو یمن سے نکالے اور ملک کو اپنے قبضہ میں لائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایرانی فوج آئی اور حبشیوں کو سمندر پار بھگا دیا اور یمن سلطنت ایران کا ایک حصہ بن گیا۔

غیروں کی غلامی

اوپر کے تاریخی بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ملک عرب کا تمام زرخیز علاقہ رومیوں اور

---

[1] یہ واقعہ فیل قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں اور سیرت نگاروں نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ ابرہہ یمن سے ساٹھ ہزار کے لشکر اور زبردست ہاتھیوں، جن کی تعداد نو یا تیرہ بیان کی جاتی ہے، مقابلے کے لیے نکلا۔ مغمس پہنچنے پر اس نے اپنے لشکر کو ترتیب دی اور مکے کی جانب حملے کو بڑھا۔ ابھی وہ مزدلفہ اور منیٰ کی درمیانی وادی مُحَسِّر پہنچا تو اس کے ہاتھیوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس دوران نصرت الٰہی کا عجیب منظر واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، جن کے پنجوں میں دو اور چونچ میں ایک کنکری تھی۔ یہ کنکریاں جس پر گرتی تھیں، اس کا جسم کٹنا شروع ہو جاتا اور نتیجۃً وہ مر جاتا تھا۔ ابرہہ بھی اس حملے کا شکار ہوا اور واپس لوٹتے ہوئے صنعا میں عبرت انگیز موت مر گیا۔

Marfat.com

ایرانیوں میں بٹ گیا تھا۔ عراقِ عرب کی سلطنت حیرہ سے لے کر یمن تک کا علاقہ ایران کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ رومی شام کی طرف سے بڑھ رہے تھے اور شمالی قبائل میں عیسائی مذہب آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ہمارے رسول اللہ ﷺ پیدا نہ ہوتے تو عرب کا ملک سارے کا سارا یا تو ایرانیوں کے ہاتھ میں آ جاتا یا رومیوں کے ہاتھ میں یا دونوں میں برابر تقسیم ہو جاتا اور عرب قوم ہمیشہ کے لیے دوسروں کی غلام بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہی قوم ایک دن اہل جہان کی معلم بنے اور رہنما، ان کو حق و راستی سکھائے اور دنیا میں تہذیب اور علم کی روشنی پھیلائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کے درمیان کھڑا کر دیا۔ اور حضور ﷺ کی تعلیم اور تربیت کے طفیل ان ہی بے کس اور حقیر عربوں نے چند سالوں میں روم و ایران دونوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی کا یہ ایک ادنیٰ سا ثبوت ہے۔

اندرونی حالت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رومیوں نے غسانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ایران نے حیرہ اور یمن پر قبضہ جما لیا تھا، باقی ملک کی حالت اور بھی ابتر تھی۔ جگہ جگہ خود مختار قبیلے تھے۔ ملک میں حکومت کوئی نہ تھی۔ ہر قبیلے کا سردار یا شیخ الگ تھا جو اپنے قبیلے کے اندر امن قائم رکھتا تھا اور جنگ میں ان کا جرنیل ہوتا تھا۔ قبائل ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ ملک میں ہمیشہ کہیں نہ کہیں جنگ چھڑی رہتی تھی۔ لوٹ مار، چوری، رہزنی اور ڈاکہ زنی ان کا روز مرّہ کا شغل تھا۔ وہ لوٹ مار، چوری اور ڈکیتی کو گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ ڈاکہ زنی ان کے نزدیک ایک معزز پیشہ تھا۔ نہ چوروں کو اپنے کیے پر شرم ہوتی نہ خونیوں کو۔ جو اعمال ہمارے نزدیک جرم ہیں، ان کے نزدیک برے نہیں تھے۔ چونکہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اس لیے ڈاکہ زنی کو درست خیال کرتے تھے۔ صرف اپنے قبیلے کے کسی آدمی کا مال لوٹنا برا سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو قبیلے کے لوگ اسے سخت سزا دیتے تھے، لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے قبیلے کا مال لوٹ کر لاتا تھا تو اس پر بہت خوشی منائی جاتی تھی، اس کی خوش نصیبی پر اس کو مبارک بادی کے تحفے ملتے، اس کی بہادری اور دلیری کی تعریف ہوتی، سارا قبیلہ اس کی عزت و تکریم کرتا

Marfat.com

اور خوشی خوشی لوٹ کے مال میں شریک ہوتا تھا۔ قبیلے لوٹ مار کے لیے ایک دوسرے پر اکثر چھاپے مارتے رہتے تھے۔

وفاداری کا جوہر

چونکہ ملک میں امن قائم رکھنے کو کوئی حکومت نہ تھی، اس لیے ہر ایک قبیلہ اپنے جان و مال کی حفاظت اپنے ہی بل بوتے پر کرتا تھا۔ ہر ایک عرب جنگ جو ہوتا تھا، اور ہر ایک اپنے قبیلے کے ساتھ کامل وفاداری برتتا تھا۔ قبیلے کا بھی فرض تھا کہ دشمنوں سے اپنے آدمیوں کی حفاظت کرے، ان میں انتقام کا جذبہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ قبیلے کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو جب تک بدلہ نہیں لے لیتا تھا، قبیلہ آرام سے نہیں بیٹھتا تھا۔ انتقام کے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ قاتل کو ہی قتل کیا جائے۔ بدلہ لینے کے لیے قاتل کے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اگر مقتول غلام ہوتا تو قاتل کے قبیلے کا ایک غلام ہی قتل کیا جاتا تھا، اگر مقتول آزاد ہوتا تو انتقام میں آزاد ہی کو قتل کیا جاتا تھا۔ انتقام سے قوم کی ناک رہ جاتی تھی اور دونوں فریق برابر ہو جاتے تھے۔

خون بہا

قتل کی ان وارداتوں سے بعض اوقات ہولناک جنگیں چھڑ جاتی تھیں جو کئی کئی پشتوں تک جاری رہتی تھیں۔ ان خون ریز لڑائیوں میں قبیلے کے قبیلے مٹ جاتے تھے بعض اوقات قاتل کا کنبہ مقتول کے خاندان کو مقتول کا خون بہا دے دیتا تھا۔ جسے عربی میں ''دِیَت'' کہتے ہیں۔ خون بہا ادا کرنے سے قتل کا جھگڑا طے ہو جاتا تھا۔ ایک آدمی کے خون کی قیمت دس اونٹ مقرر تھی لیکن دِیَت قبول کرنا شرمناک خیال کیا جاتا تھا۔ وہ خون کے بدلے خون بہانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، جان کے بدلے جان، یہ تھا ان کا قانون۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک انتقام نہ لے لیا جائے، مقتول کی روح پرندہ بن کر اس کی قبر کے اوپر منڈلاتی اور پکارتی رہتی ہے اسقنی اسقنی۔ مجھے پینے کو (خون) دو۔ خون بہا صرف وہی قبیلہ قبول کرتا تھا جس میں انتقام کی طاقت نہ ہوتی تھی اور اپنی کمزوری کا اقرار کرنا غیور عربوں کے نزدیک بہت شرمناک بات تھی۔

Marfat.com

مردانہ خصلت

عرب کے لوگ گو نیم وحشی تھے لیکن مردانہ خصائل رکھتے تھے۔ وہ عورتوں پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا کمینے بزدل کا کام ہے اور عرب نہ کمینے تھے اور بزدل۔

پناہ دینا

اگر کوئی شخص اپنے ہی قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کو پناہ دینے والا کوئی نہ تھا۔ جو چاہے اسے قتل کر دے۔ اس کے قتل کا انتقام نہیں لیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتا تھا یا اس کا مال کسی نے چھین لیا ہو اور اس میں اتنی طاقت نہ ہو کہ دشمن سے اپنا مال واپس لے اس کو حق تھا کہ کسی قبیلے کی پناہ حاصل کر لے۔ قبیلے کے ہر ایک شخص کو اس قسم کی پناہ دینے کا حق تھا اور سارا قبیلہ اس شخص کی امداد کو اپنا فرض سمجھنے لگتا تھا۔ قبیلہ پناہ لینے والے کو اس کے دشمنوں سے بچاتا تھا۔ اور اس کا مال اس کو واپس دلاتا تھا۔ خواہ اس کے لیے انہیں جنگ کرنی پڑے۔ عرب اپنے وعدہ کے پکے ہوتے تھے اور ان کی عزت کا تقاضا تھا کہ جو شخص پناہ مانگے اس کو پناہ ضرور دیں۔

متبرک مہینے

سال میں چار مہینے۔ تین مہینے حج کے قریب اور ایک مہینہ اور (یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم)، سارے ملک میں امن وامان ہوتا تھا۔ ان مہینوں میں لڑنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ خون ریزی بند ہو جاتی تھی۔ ہر ایک شخص اپنے ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ اور بلا خطر جہاں چاہتا جا سکتا تھا۔ سال کے باقی آٹھ مہینوں میں راہزنی، ڈکیتی، لوٹ مار، خون ریزی اور جنگ وجدال جاری رہتی تھی۔ اور کسی شخص کی زندگی خطرے سے محفوظ نہ تھی۔

زمانۂ جاہلیت

اس بیان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ عرب میں اسلام سے پہلے کوئی شخص اپنے طور پر زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا۔ اگر کوئی شخص ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو تھوڑے ہی دنوں میں کوئی نہ کوئی اسے دوسرے

Marfat.com

جہان کو روانہ کر دیتا۔ ہر ایک شخص کو کسی نہ کسی قبیلے کی پناہ میں رہنا پڑتا تھا اور قبیلے کے انتقام کے ڈر سے ہی لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے یا نقصان پہنچانے سے باز رہتے تھے۔ ہر ایک جانتا تھا کہ اگر کسی کو مارا تو اس کا سارا قبیلہ انتقام کو اٹھ کھڑا ہوگا۔ وہ خود قتل ہوگا اس کے بچے اور بھائی بند قتل ہوں گے۔ لڑائیاں ہوں گی اور ناحق کا خون بہے گا۔ انہی باتوں کے ڈر سے پڑوس کے قبیلے آپس میں امن اور صلح کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

اچھائی برائی کی تمیز ندارد

قبیلے اپنے آدمیوں کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور اس فرض کو بہت اچھی طرح نباہ لیتے تھے۔ ان کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ قصور ان کے اپنے آدمی کا ہے یا کسی اور کا۔ قصوروار یا بے قصور ہونے کا خیال ان کو بالکل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کی تمیز بھی ان میں نہیں تھی۔ صحیح ہو یا غلط۔ قصوروار ہو یا بے قصور وہ ہر حالت میں اپنے آدمی کی حمایت کرتے تھے۔ اگر کوئی قبیلہ اپنے کسی آدمی کو دشمن کے سامنے اکیلا چھوڑ دیتا اور اس کی امداد نہ کرتا تو تمام ملک اس قبیلے کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا اور ہر ایک عرب اس پر لعنت بھیجتا تھا۔ اس قبیلے کی مذمت میں شعر کہے جاتے اور ہر ایک شہر، ہر ایک گاؤں اور ریگستان کے ہر ایک خیمے میں اس کا چرچا ہوتا کہ فلاں قبیلے نے اپنے آدمی سے غداری کی ہے اور اپنا فرض پورا نہیں کیا ہے۔ مارے شرم کے اس قبیلے کے آدمی پھر کہیں اپنا منہ نہیں دکھا سکتے تھے۔ ایک ایسے نیم وحشی ملک میں جہاں کوئی قانون اور کوئی گورنمنٹ نہ ہو قبائل کا یہ انتظام لوگوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ اور عرب میں بھی مفید ثابت ہو رہا تھا۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ مکّہ کے لوگ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کو طرح طرح سے دِق کرتے اور ستاتے تھے۔ لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ حضور ﷺ کی جان پر حملہ کرے۔ اس کی وجہ یہی قبائل کا عجیب وغریب قانون تھا۔

شعر وشاعری

عربوں کو شعر وشاعری کا بہت شوق تھا اور ہر ایک قبیلے میں کئی ایک شاعر ہوا کرتے تھے۔

Marfat.com

اشعار یا تو عاشقانہ ہوا کرتے تھے یا دشمنوں کی ہجو میں۔ ہر ایک شاعر کا کام تھا کہ اپنے قبیلے کی تعریف میں نظمیں لکھے اور اس کی بہادری، شجاعت، مہمان نوازی اور خوبیوں کو سراہے۔ قبیلے کی تعریف بہت بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی۔ ہر ایک شاعر کوشش کرتا تھا کہ اپنے قبیلے کو تمام ملک میں سب سے زیادہ شریف، عالی خاندان اور سب سے زیادہ دلاور اور اپنے قبیلے کے سردار کو سب انسانوں سے زیادہ دریا دل اور مہمان نواز ثابت کرے۔ ان میں بعض بہت بڑے پائے کے شاعر ہوئے ہیں۔ جن کا کلام آج تک موجود ہے لیکن شعرا ملک میں فساد بھی مچاتے پھرتے تھے۔ بعض اوقات وہ دوسرے قبیلوں اور ان کے سرداروں کے خلاف گندے شعر بھی کہہ دیتے تھے۔ جس کی ہجو کی گئی ہو اس کی جگ ہنسائی ہوتی تھی۔

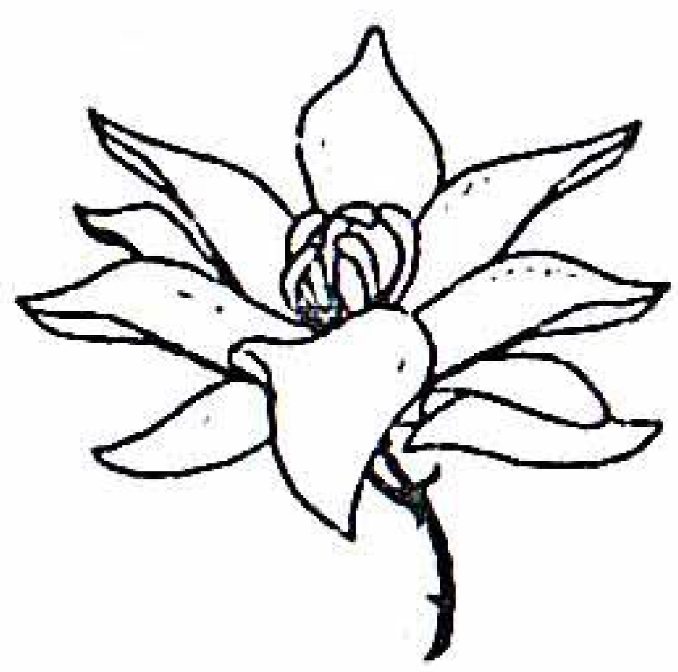

Marfat.com

چوتھا باب

عربوں کا مذہب

عیسائی اور یہودی

عرب میں کئی مذہب تھے، جو عرب قبائل شام اور عراق عرب میں آباد تھے، وہ عیسائی ہو چکے تھے۔ نجران کے لوگ بھی عیسائی تھے۔ اور شمالی قبائل میں بھی کچھ لوگ عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ اور یمن میں بہت یہودی آباد تھے۔ خیبر، تیمہ اور فدک زرخیز وادیاں ہیں جو مدینہ منورہ کے شمال میں قریباً ایک سیدھ میں واقع ہیں۔ ان کی آبادی ساری کی ساری یہودی مذہب کی پیرو تھی۔ باقی سب کافر تھے۔

ستارہ اور بت پرستی

یمن کے لوگ سورج کو پوجتے تھے۔ بعض قبائل چاند کی پرستش کرتے تھے اور بعض ستاروں کی۔ لیکن اکثر لوگوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ قریباً ہر ایک قبیلے کا بت جدا جدا تھا۔ مکہ میں ہر گھر میں ایک بت تھا۔ جو دروازے کے قریب ہوتا تھا اور لوگ اندر جاتے اور باہر نکلتے اس کے آگے جھکتے تھے لیکن بعض مشہور بت کدے بھی تھے جہاں اردگرد کے قبائل حج کرنے جاتے تھے۔

وَدّ

حجاز کے شمالی ضلع میں دومۃ الجندل کے مقام پر وَدّ کا بت خانہ تھا وہ آدمی کی شکل کا پتھر کا گھڑا ہوا ایک بت تھا۔ جسے دو چادریں پہنائی جاتی تھیں۔ اس کے کندھوں سے ایک تلوار اور ایک کمان لٹکتی تھی۔ پیٹھ پر تیروں بھرا ترکش تھا۔ ہاتھ میں ایک برچھی تھی جس پر پھل کے قریب ایک پھریرا لگا ہوا تھا۔

Marfat.com

منات

منات ایک دیوی تھی اس کا معبد سمندر کے ساحل پر قدیمہ میں تھا جو مدینہ اور مکّہ کے درمیان واقع ہے۔ یثرب (مدینہ) کے لوگ خاص کر اسی کے معتقد تھے اس بت کے ہاتھوں میں بھی دو تلواریں تھیں۔

لات

لات بھی دیوی تھی۔ اس کا بت کدہ شہر طائف میں تھا اور بنی ثقیف کا قبیلہ جو اس شہر میں آباد تھا، اس بت کی پوجا کرتا تھا۔ یہ بت چوکور شکل کی ایک چٹان تھا۔ اس کی خدائی کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور بہت سے قبائل اس کی جاترا کو آتے تھے۔ چٹان کے نیچے ایک گہرا سوراخ تھا۔ جس کا نام غب غب تھا۔ لات پر جو قیمتی چڑھاوے چڑھا کرتے تھے وہ اسی سوراخ غب غب میں جمع رہتے تھے اور ہوتے ہوتے یہاں ایک بہت بڑا خزانہ اکٹھا ہو گیا تھا۔

عُزّیٰ

عُزّیٰ بھی ایک دیوی تھی۔ شہرت اور تقدس میں لات کی ہم پلّہ تھی۔ اس کا معبد مکّہ معظمہ سے کچھ فاصلے پر وادی نخلہ میں تھا۔ قبیلہ قریش جو مکّہ میں رہتا تھا اس بت کی بہت عزت کرتا تھا۔ حضرموت اور یمن میں بھی اسی قسم کے بت کدے تھے جو مقامی قبائل کی زیارت گاہ تھے۔ حرمت کے مہینوں میں جب جنگ وجدل موقوف اور ملک بھر میں امن قائم ہو جاتا تھا لوگ ان بت خانوں کی زیارت کو جاتے۔ ہفتہ عشرہ کے لیے وہاں میلے لگاتے اور خرید وفروخت کرتے تھے۔

کعبہ

لیکن عرب میں سب سے زیادہ مقدس مقام کعبہ تھا جو مکّہ میں واقع ہے۔ کعبہ اصل میں اس چھوٹے سے کوٹھے کا نام ہے جو مسجد الحرام کے بیچ واقع ہے اس کا نام کعبہ اس لیے پڑ گیا کہ وہ شکل میں مکعب ہے اور اس کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی تقریباً برابر ہیں۔ کوٹھا اندر سے خالی ہے اور اس پر سیاہ ریشم کا ایک غلاف چڑھا رہتا ہے۔ ہر سال نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے جو پہلے حکومت مصر کی طرف سے پیش ہوتا تھا۔ (اور اب سعودی حکومت ہی اس کو تیار کر کے چڑھاتی ہے۔ ایک سال اس کا اعزاز پاکستان کو بھی نصیب ہوا ہے) اس

Marfat.com

کوٹھے کی باہر کی دیوار کے ایک کونے میں وہ سیاہ پتھر ہے جس کو حجر اسود کہتے ہیں۔ حج کا ایک رکن یہ ہے کہ کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کیا جائے۔ طواف حجرِ اسود سے ہی شروع ہوتے اور گنے جاتے ہیں۔

حجرِ اسود

اس پتھر کے متعلق یورپ والوں کے خیالات بڑے مضحکہ خیز ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس پتھر کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ خیال محض حماقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ مسلمان کسی بت کی پوجا نہیں کرتے۔ عیسائی اپنے جیسے ایک انسان یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں لیکن مسلمان کسی انسان کو نہیں پُوج سکتے۔ مسلمان صرف خدائے واحد ولاشریک کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ مسلمان تو رہے الگ کفار مکہ نے بھی حجر اسود کی کبھی عبادت نہیں کی تھی۔

تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک شہاب ثاقب تھا جو مکہ کے نزدیک گرا تھا اور لوگوں نے اسے ایک عجوبہ سمجھ کر کعبہ کی ایک دیوار میں لگا دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جو عربوں اور یہودیوں کے جدّ امجد تھے مکّہ میں تشریف لائے اور کعبہ کی مرمت کی تو آپ نے یہ عجیب وغریب اور عجوبۂ زمان پتھر دیوار میں لگا دیا اور عرب اپنے مورث کی یاد میں اسے مقدس جاننے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے خدا ترس، صالح اور برگزیدہ انسان تھے۔ آپ بھی جلیل القدر نبی تھے۔ اور ہمارے رسول مقبول ﷺ نے حجر اسود کو حضرت ابراہیم کی یادگار سمجھ کر بوسہ دیا تھا۔ چونکہ حضورؐ نے بوسہ دیا اس لیے ہر مسلمان جو وہاں حج کرنے جاتا ہے اسے بوسہ دیتا ہے یعنی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بوسے کو بوسہ دیتے ہیں نہ کہ پتھر کو۔ کیونکہ پتھر بہر حال پتھر ہے جو نہ کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ بقول شاعر:

تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ سنگ اسود پر
وگرنہ کام کیا تھا ہم مسلمانوں کا پتھر سے

کعبہ میں صرف ایک بت تھا۔ جس کا نام ہبل تھا اور چھوٹے چھوٹے بت بھی ہوں گے۔ لیکن نام اسی کا زیادہ لیا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سات تیر تھے جن سے فال نکالی جاتی تھی۔ مکّہ میں دو

Marfat.com

اور بت بھی تھے۔ جن کو اوصاف اور نائلہ کہتے تھے۔ یہ دو سیدھے پتھر تھے جو زمین میں گڑے ہوئے تھے۔ عرب ان کے نام جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور قربانی کا خون ان پر چھڑکتے تھے۔ اسلام نے ان بے ہودگیوں کا قلع قمع کر دیا۔

ہاں تو کعبہ عرب میں سب سے زیادہ مقدس اور سب سے پرانی عبادت گاہ تھا۔ اتنا قدیمی تھا کہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کب بنا اور کس نے بنایا۔ قرآن شریف میں کعبہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر کہا گیا ہے۔ قرآن شریف میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں نے مل کر کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کعبہ ان سے پہلے کا ہو۔ جو ان سے پہلے برباد ہو گیا ہو اور انہوں نے اسے نئے سرے سے بنایا ہو۔ (مستند تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کی اس عمارت کو جسے اصطلاحاً کعبہ بھی کہتے ہیں، سب سے پہلے فرشتوں کے بتانے پر حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا)

عکاظ کا میلہ

حج کے موقع پر عرب قبائل ملک کے دور دراز حصّوں سے آتے تھے۔ حج کے مراسم طے ہو چکتے تھے۔ تو مکّہ سے تھوڑی دور عکاظ کے میدان میں بیس دن تک میلہ لگاتے تھے۔ میلہ بڑی چہل پہل اور رونق کا ہوتا تھا۔ قبائل آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے۔ لاکھوں کا مال دنوں میں اٹھ جاتا تھا۔ قبائل کے جھگڑے طے ہوتے تھے۔ خون بہا ادا کیے جاتے تھے۔ معاہدے ہوتے تھے اور نئے تعلقات قائم کیے جاتے تھے۔ عرب کے مشہور شعرا اور خطیب اپنا اپنا کلام سناتے اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے تھے۔ عربوں کے ہاں شعر و سخن اور فن تقریر کی بڑی قدر تھی اور جن شعرا کا کلام یا خطیبوں کی تقریریں عکاظ کے میلے میں تحسین حاصل کر لیتی تھیں۔ وہ سارے ملک میں مشہور ہو جاتے تھے عکاظ کا میلہ ہر رنگ میں ایک قومی میلہ ہوتا تھا۔ جس میں عرب اپنے جھگڑے اور فساد بھول جاتے اور بیس دن ایک دوسرے کی تواضع اور تفریح میں بسر کرتے تھے۔

قریشِ مکّہ اور حج

حج سے قریش مکّہ بے حد فائدہ اٹھاتے تھے۔ عکاظ کا میلہ تمام عرب کو کھینچ کر ان کے گھر لے

Marfat.com

آتا تھا اور ان کی تجارت خوب چمکتی تھی۔ اور مکّہ کے سوداگر خوب خوب ہاتھ رنگتے تھے۔ حاجیوں کی تواضع اور ان کے کھانے پینے کا انتظام سب قریش کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اور قریش نے حاجیوں کی جیبیں الٹنے کے کئی طریقے ایجاد کر رکھے تھے مثلاً انہوں نے ایک قاعدہ یہ بنا رکھا تھا کہ حاجی کعبہ کا طواف کرتے وقت جو کپڑے پہنیں وہ انہی سے خریدیں۔ اگر نہ خرید سکیں تو ننگے طواف کریں۔ عرب چونکہ عموماً غریب ہوتے تھے اس لیے ان میں سے اکثر کعبے کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ پھر بھی بہت کپڑا بک جاتا تھا۔ جس سے قریش کافی دولت سمیٹ لیتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکّہ معظمہ فتح کر لیا اور وہاں اسلام کی حکومت قائم ہو گئی تو ننگے ہو کر طواف کرنے کی بے ہودہ رسم اٹھا دی گئی۔ قریش چونکہ کعبہ کے متولی تھے، اس لیے عرب کے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ کعبے کی حرمت کی وجہ سے اس کے اردگرد چند میل تک لڑائی اور خون ریزی منع تھی۔ بلکہ اس نواح میں جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار بھی ممنوع تھا اور اب بھی ممنوع ہے۔ اس وجہ سے مکّہ تمام حملوں سے محفوظ تھا۔ کوئی دشمن اس پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ الغرض قریش کی دولت ان کا جاہ و جلال اور رعب و داب محض کعبہ کی برکت سے ہی تھا۔ اس کی بدولت وہ دشمنوں کے حملوں سے محفوظ تھے اور تمام ملک میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

عرب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ مانتے تھے کہ وہی زمین و آسمان کا رب ہے لیکن وہ اس کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ کی جگہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بت ہی ہماری مشکلات آسان کرتے ہیں۔ ہمارے لیے مینہ برساتے ہیں، زر و مال دیتے ہیں اور ہماری دعائیں خدا تک پہنچا دیتے ہیں۔

مذہب سے لاپرواہی

لیکن اصل یہ ہے کہ عرب مذہب سے بالکل لاپروا تھے۔ اگر انہیں پروا تھی تو محض اپنے منافع اور عیش و عشرت کی۔ جہلا کی طرح کہتے تھے کہ جو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، وہی اچھا ہے اور ہم بھی وہی کریں گے۔ بالکل وحشی لوگ تھے۔ رحم کا ان میں نام و نشان نہ تھا۔ اپنے دشمنوں کو بے دریغ قتل کرتے اور بعض اوقات ان کو زندہ آگ میں جھونک دیتے تھے۔ ایسے بے حیا تھے کہ اپنی ہی سوتیلی

Marfat.com

ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ جتنی بیویاں چاہتے تھے کر لیتے تھے، کوئی حد مقرر نہ تھی۔ سوتیلی مائیں لڑکوں کو ورثے میں ملتی تھیں۔ جن کے ساتھ یا تو وہ خود نکاح کر لیتے تھے یا روپیہ لے کر اوروں کو دے دیتے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ غریبوں، مسکینوں اور کمزوروں پر ان کو رحم نہ آتا تھا اور بیواؤں، بے کس یتیموں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کا ہر روز کا وطیرہ تھا۔ شراب پیتے تھے، جوا کھیلتے تھے اور اپنی بدچلنیوں پر فخر کرتے تھے۔ عورتوں کو بھیڑ بکری سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام سے قبل کے عرب بے رحمی و سفاکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور سب قسم کی شرم ناک بدیاں ان میں آ کر جمع ہو گئی تھیں۔

عربوں کی خوبیاں

لیکن ان وحشیوں میں بعض خوبیاں بھی تھیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عرب اپنے اپنے قبیلے کے ساتھ انتہا کی وفاداری برتتے تھے اور پناہ مانگنے والے کو حفاظت میں لے لینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ایک اور بڑی خوبی ان کی مہمان نوازی تھی۔ جو کوئی بھی کسی عرب کے خیمے میں داخل ہو جاتا تھا وہ اس کا مہمان بن جاتا تھا۔ اور خیمے کا مالک اس کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کرتا تھا۔ گھر میں اچھے سے اچھا کھانا مہمان کو دیتا اور اس کی ہر طرح سے تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ عرب بڑے بہادر، شجاع اور دلیر دل تھے۔ ان کے کمائے ہوئے جسم لوہے کی طرح مضبوط ہوتے تھے۔ مردانہ چال ڈھال اور مردانہ خصائل رکھتے تھے اور جنگ میں کسی سے منہ نہ موڑتے تھے۔ ایک عرب جب اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار باندھ کر گھر سے نکلتا تھا تو شیر بیاباں بن جاتا تھا اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

لیکن ان کی بہادری اور مردانگی کسی کام نہ آتی تھی۔ ان کی بے اتفاقیوں، آئے دن کی خانہ جنگیوں اور خوں ریزیوں، ان کی جہالت و سفاکی، ان کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں نے قوم کو بے حد کمزور اور تمام عالم کی نگاہوں میں ذلیل اور حقیر بنا دیا تھا۔

یہی وہ جاہل، وحشی اور حیوان صفت قوم تھی جس کے درمیان جناب سرورِ دو عالم حبیب خدا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پیدا ہوئے تاکہ عربوں کو انسان بنائیں ان کو اخلاق کا سبق دیں۔ تہذیب و تمدن کی برکتیں سکھائیں اور ان میں اتفاق پیدا کر کے ان کو ایک طاقت ور قوم بنا دیں۔ جو حضورؐ کا پیغام چار دانگ عالم میں پہنچا دے اور دنیا والوں کو نئی تہذیب سکھائے۔

Marfat.com

پانچواں باب

مولودِ مسعود اور بچپن

ہم اس بات کو اس کنبے کے ذکر سے شروع کریں گے جس میں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔

خاندان قریش

ہم نے پچھلے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ آپ بڑے جلیل الشان نبی تھے۔ آپ کے گھر دو بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ ۔ یہود حضرت اسحٰقؑ کی اولاد اور قریش مکہ اور وسطی اور شمالی عرب کے کئی قبائل حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے۔

حضرت اسماعیلؑ اور آپ کی اولاد نے مکہ میں سکونت اختیار کی اور کئی صدیوں تک وہیں آباد رہے۔ آخر کار ایک اور عرب قبیلے بنو جرہم نامی نے ان کو مکہ سے نکال دیا اور خود شہر کے مالک بن بیٹھے۔ اس قبیلہ کے سردار اپنے آپ کو بادشاہ کہتے تھے۔ تیسری صدی سنِ عیسوی کے شروع میں ایک اور قبیلہ بنو خزاعہ جنوب کی طرف سے بڑھا جس نے بنی جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے کوئی دو سو برس بعد ۴۴۰ء میں بنی خزاعہ کو بھی مکہ سے نکلنا پڑا اور قریش دوبارہ شہر پر قابض ہو گئے۔ بنی خزاعہ مکہ کے قریب جنوب میں آباد ہو گئے۔ ان کا ذکر اس کتاب میں آگے بھی آئے گا۔

خاندان نبوی

اس وقت قریش کا سردار قصی بن کلاب تھا۔ جو ایک دانش مند منتظم اور طاقتور شخص تھا۔ قریش کے مقدمات اسی کے سامنے فیصل ہوتے تھے اور جنگ میں وہی ان کا سردار ہوتا تھا۔ قبیلے کا علم بھی اسی کے گھر رہتا تھا اس نے ایک کونسل گھر بنوایا جسے دار الندوہ کہتے تھے۔ دار الندوہ میں کنبوں کے سردار جمع ہوتے اور قصی کی پریذیڈنٹی میں کونسل کرتے تھے۔ قصی ہی مکہ کا پہلا حاکم تھا جس نے یہ انتظام کیا کہ

Marfat.com

نادار حاجیوں اور مسافروں کو تین دن تک کھانا اور پانی مکّہ والوں کی طرف سے دیا جایا کرے۔ اس غرض کے لیے چمڑے کے بڑے بڑے حوض بنوائے گئے جو حج کے موقع پر مکّہ کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیئے جاتے تھے۔ خوراک مہیا کرنے کے لیے ہر گھر پر ٹیکس لگا دیا گیا۔ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا خرچ بھی ٹیکس لگا کر پورا کیا جاتا تھا۔

قصی کے چھ بیٹے تھے۔ اس کی وفات پر اس کا سب سے بڑا بیٹا عبدالدار اس کا جانشین ہوا، اور حرم کعبہ کا متولی بنا۔ عبدالدار کی وفات پر اس کے اور اس کے بھائیوں کے بیٹوں میں ریاست کے متعلق تنازع ہوا چنانچہ تمام اعزاز اور تولیت کی خدمات ان میں تقسیم ہو گئیں۔ کسی کو علم اور جنگ میں فوج کی سرداری کا عہدہ ملا، کسی نے دار الندوہ کی پریزیڈنٹی حاصل کی۔ دوسروں کو اور حقوق ملے۔ لیکن سردار ہاشم کو جو قصی کے ایک چھوٹے بیٹے عبدمناف کے بیٹے تھے، سقایہ اور رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا اور پانی دینے کا گراں قیمت حق حاصل ہوا۔

ہاشم

ہاشم بڑے دانش منداور مدبّر رئیس تھے۔ اپنے زمانے میں بہت شہرت حاصل کی۔ دولت مند تھے اور دریا دلی سے روپیہ خرچ کرنے والے تھے۔ مکّہ میں ایک دفعہ قحط پڑا اور لوگ فاقوں سے مرنے لگے تو ہاشم بہت سا غلہ ملک شام سے خرید کر لائے اور مکّہ والوں میں کھانا پکا پکا کر تقسیم کیا۔ اس شاہانہ فیاضی نے ان کو ملک بھر میں مشہور کر دیا اور سب لوگ ان کی عزت کرنے لگے۔ کسرائے ایران نے قیصرِ روم اور شاہِ حبش کے ساتھ معاہدے کیے تھے کہ قریش کے تجارتی قافلے ان ملکوں میں بلا روک ٹوک تجارت کر سکیں۔ اس قسم کے معاہدے عرب قبائل کے ساتھ بھی کیے گئے، ان معاہدوں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ گو دوسرے قبائل آپس میں لڑتے بھڑتے اور ایک دوسرے کا مال لوٹتے کھسوٹتے رہے لیکن کوئی قریش کے قافلوں پر نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ اور وہ ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رہتے تھے۔

عمر کے آخری سال میں حسب دستور تجارت کی غرض سے شام کو گئے، راہ میں یثرب پڑتا تھا۔ پہلے وہاں گئے اور وہاں حسن اتفاق سے ایک خوبصورت خاتون سلمہ نامی سے آپ کی ملاقات ہو

Marfat.com

گئی۔ سلمہ قبیلہ خزرج کے ایک عالی خاندان بنی نجار سے تھیں ۔قبیلۂ خزرج کا ذکر آگے بھی آئے گا۔ سردار ہاشم نے سلمہ خاتون سے شادی کر لی اور کچھ دن مدینہ ٹھہر کر تجارت کے لیے شام چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد بی بی سلمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ یہ لڑکا بعد میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ عبدالمطلب جب بڑے ہوئے تو اپنے باپ کی جگہ رئیسِ مکہ ہو گئے۔

چاہ زم زم

کعبے کے نزدیک ایک کنواں ہے جو زمزم کے نام سے تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہے۔ جو لوگ حج کرنے مکہ جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ وہاں سے اس کنوئیں کے پانی کے چھوٹے بڑے کین بھر کر لایا کرتے ہیں۔ آب زمزم چونکہ مکہ کی پاک سرزمین سے آتا ہے، اس لیے دور دور کے ملکوں میں رہنے والے مسلمان اسے تبرک کے طور پر شوق سے پیتے ہیں۔ کنواں بہت قدیمی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب بنا اور کس نے بنایا۔ [1] ہم نے اوپر قبیلہ بنو جرہم کا ذکر کیا ہے جس نے قریش کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ جب بنو جرہم کو مکہ سے نکلنا پڑا تو وہ جانے سے پہلے اس کنویں کو مٹی ڈال کر پر کر گئے اور اس طرح دبا دیا کہ اس کا نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ اس واقعہ کے تین سو سال بعد عبدالمطلب کے زمانے میں کسی کو پتہ نہ تھا کہ وہ کنواں کہاں واقع تھا۔ لیکن عبدالمطلب کو ایک خواب میں اس کا پتہ لگ گیا اور انہوں نے کھوج لگا کر کنواں پھر کھود لیا۔ کنوئیں کے ہاتھ لگنے سے عبدالمطلب کا مرتبہ اور رسوخ اپنی قوم میں اور بھی بڑھ گیا لوگوں نے اور سب کنوئیں چھوڑ دیئے اور سب کے سب چاہ زمزم سے ہی پانی بھرنے لگے۔

بنی خزاعہ کے ساتھ معاہدہ

مکہ میں اور بھی دولت مند رئیس تھے جو اپنے اپنے کنبوں کے سردار تھے۔ گو حقیقت میں یہ سب قصی کی اولاد اور آپس میں بھائی بھائی تھے۔ عبدالمطلب کے عروج کو دیکھ کر ان میں سے ایک کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے فساد برپا کرنے کی کوشش کی۔ اس پر عبدالمطلب نے اپنے قبیلے کو مضبوط کرنے کے لیے قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ مستقل معاہدہ کر لیا کہ وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی امداد کریں

---

[1] اس کنویں کے تاریخی کے لیے خمرہ یحییٰ توشک کی کتاب ''آب زمزم'' کا مطالعہ کیجیے، جس کا تفصیلی مقدمہ راقم نے لکھا ہے (عبدالجبار شاکر) معروف تاریخی روایات کے مطابق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے اللہ تعالیٰ نے جاری کر دیا۔

Marfat.com

گے۔اس معاہدے کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں یہ معاہدہ بڑی حیثیت رکھتا ہے۔

حضورؐ کے والد سردار عبداللہ:

عرب میں بڑے سرداروں کی طاقت کا انحصار لڑکوں کی تعداد پر ہوتا تھا۔اور عبدالمطلب نے جوانی میں منت مانی تھی کہ اگر میرے ہاں دس لڑکے ہوں جو میرے سامنے بلوغت کو پہنچ جائیں تو میں ان میں سے ایک کو خدا کے نام پر قربان کروں گا۔اس کی خواہش پوری ہوگئی اور اس کے ہاں دس لڑکے پیدا ہوئے جو سب کے سب جوانی کو پہنچ گئے۔چنانچہ عبدالمطلب نے منت کے مطابق ان میں سے ایک کی قربانی کرنے کا تہیہ کر لیا۔قرعے ڈالے گئے اور قرعہ ان کے سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔

سردار عبداللہ اس وقت جوانی کے عالم میں تھے۔ان کی عمر بعض کے نزدیک چوبیس اور بعض نے نزدیک صرف سترہ برس کی تھی۔جب ان کے والد ان کو بتوں پر قربانی کرنے کے لیے لے چلے تو ان کی بہنیں بہت روئی پیٹیں اور باپ کی منت سماجت کی کہ اپنے ارادے سے باز آئیں۔مکہ کے رؤسا نے بھی کہا! ایسا ہرگز نہ کرو، ایک نوجوان کو یوں بھی قتل کرنا برا ہے۔دوسرے ڈر ہے کہ کہیں اس کا رواج نہ ہو جائے ہم ایسا کام ہرگز نہ کرنے دیں گے۔عرب کے پرانے رواج کے مطابق ایک مرد کے خون کی قیمت اونٹوں میں بھی دی جا سکتی تھی۔اس لیے مکہ والوں نے عبدالمطلب کو صلاح دی کہ اس موقع پر بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔چنانچہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا۔ لیکن قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب نے دس اور اونٹ بڑھا دیئے اور پھر قرعہ ڈالا لیکن قرعہ پھر عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب ہر دفعہ دس اونٹ بڑھا بڑھا کر قرعے ڈالتا گیا، یہاں تک کہ سو اونٹ ہو گئے۔اب کے قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اور سردار عبداللہ کی جان بچ گئی۔یہی سردار عبداللہ ہمارے رسول ﷺ مقبول کے والدِ گرامی تھے۔

حضورؐ کی والدہ مکرّمہ

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد سردار عبداللہ کی شادی بی بی آمنہ سے ہوگئی۔بی بی آمنہ بڑے عالی رتبہ خاندان سے تھیں۔ان کے والد فوت ہو چکے تھے اور چچا نے ان کی پرورش کی تھی۔ہمارے نبی

Marfat.com

کریم ﷺ حضرت بی بی آمنہ کے بطن سے ہی پیدا ہوئے۔

شادی کے چند مہینے بعد عبداللہ تجارت کرتے شام کی طرف گئے۔ واپس آتے ہوئے راہ میں بیمار پڑ گئے اور قافلے والے انہیں مدینہ چھوڑ گئے۔ تھوڑے عرصہ کی علالت کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ دفن ہوئے۔

ولادت

سردار عبداللہ کی وفات کے دو یا تین مہینے بعد جناب سرور دو عالم ﷺ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ یعنی حضورؐ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے۔

محمدؐ و احمدؐ

جس وقت عبداللہ کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو عبدالمطلب کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پوتے کے پیدا ہونے کی خبر سن کر بوڑھا سردار باغ باغ ہو گیا اور دوڑ کر بچے کو دیکھنے گیا۔ مکہ کے رئیس جو اس وقت پاس بیٹھے تھے وہ بھی ساتھ گئے۔ بوڑھا عبدالمطلب بچے کو اٹھا کر کعبے میں لے گیا۔ اور اس کے لیے دعا کی۔ دادا نے حضورؐ کا نام محمدؐ رکھا اور ماں نے احمدؐ۔ ہمارے رسول مقبول دونوں ناموں سے مشہور ہیں اور دونوں کے معنی ہیں وہ شخص جس کی بہت تعریف کی گئی ہو اور بلاشبہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہر ایک تعریف کے مستحق ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی شخص نہیں گزرا جس کی اس قدر تعریف کی گئی ہو اور جس کے پیروؤں نے اس پر اس طرح جانیں نثار کر دی ہوں جس طرح کہ جناب سرور دو عالم ﷺ پر نثار کی گئیں، صلی اللہ علیہ وسلم

رضاعت

(روایت اور رواج کے مطابق) مکہ کے بلند مرتبہ خاندانوں کی بیبیاں اپنے بچوں کو خود دودھ نہیں پلایا کرتی تھیں۔ علاوہ ازیں مکہ کی آب و ہوا چھوٹے بچوں کے لیے اچھی نہ تھی۔ اس وجہ سے مکہ کے رئیس اپنے بچوں کو شہر کے قریب کے بدوی قبائل میں پرورش کے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ ریگستان کی کھلی اور پاکیزہ ہوا میں بچے خوب پلتے تھے۔ صحت اچھی رہتی تھی۔ ان کے بدن چست اور مضبوط ہو

Marfat.com

جاتے تھے۔اس پر طرہ یہ کہ خالص عربی زبان بولنا سیکھ جاتے تھے۔کیونکہ بدویوں کی زبان جو باہر والوں سے کم ملتے ہیں،شہر والوں کی زبان سے بہت زیادہ شستہ ،پاکیزہ اور درست ہوتی ہے۔پہلے دوتین دن آپؐ کی والدہ نے پھر چند دن ثوبیہ نے جو آپؐ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی ۔حضورؐ کو دودھ پلایا۔ ہمارے رسول مقبول ﷺ میں ایک خوبی یہ تھی کہ کسی کے احسان کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔اگر کوئی شخص آپ ﷺ پر کوئی احسان کرتا خواہ وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ،ہو رسول اللہ ﷺ اسے ہمیشہ یاد رکھتے تھے۔اور شکر گزار رہتے تھے۔جب آپؐ بڑے ہوئے تو ثوبیہ کو اس چند دن کی دودھ پلائی کے احسان کا بدلہ دیا۔ حضورؐ اور ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ ہمیشہ عزت کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے اور کپڑے اور نقدی وغیرہ اسے اکثر بھیجتے رہتے تھے۔تحفے تحائف کا یہ سلسلہ ثوبیہ کی وفات تک کئی سال جاری رہا۔

مولودِ مسعود کے چند دن بعد چند بدوی عورتیں شیر خوار بچے لینے مکّہ میں آئیں ۔اوروں کو تو بچے مل گئے لیکن بی بی حلیمہ کو جو قبیلہ بنی سعد سے تھیں،کوئی بچہ نہ ملا۔حضور ﷺ کو لے جانے پر وہ راضی نہ تھی ۔حضورؐ بن باپ تھے،وہ دل میں کہتی تھی کہ یتیم بچے کی پرورش سے کیا ملے گا۔لیکن شہر میں اور کوئی بچہ بھی نہ تھا کہ جسے اپنے ساتھ لے جائے ۔جب سب طرف سے مایوسی ہوئی تو اس نے سوچا کہ چلو،نہ ہونے سے یتیم ہی اچھا ہے۔چنانچہ حضورؐ کی پرورش پر وہ رضا مند ہوگئی اور آپؐ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہی یتیم بچہ ایک دن شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے گا۔

بنی سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھے۔فصاحت،شاعری اور زبان کی پاکیزگی کے لیے یہ قبیلہ خاص شہرت رکھتا تھا۔سرورِ دو عالم ﷺ اپنے زمانے کے نہایت ہی فصیح اور زوردار مقرر تھے۔فرمایا کرتے تھے،میری زبان تم سب سے زیادہ فصیح اور پاکیزہ ہے۔کیونکہ میری پرورش قبیلہ بنی سعد میں ہوئی تھی۔

حضورؐ دو برس کے ہوئے تو بی بی حلیمہ انہیں بی بی آمنہ کے پاس لے آئیں ۔ماں اپنی آنکھوں کے تارے کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی۔صحت بہت اچھی تھی۔بدن مضبوط تھا۔اصل سے دگنی عمر کے نظر آتے تھے۔لیکن بی بی آمنہ مکّہ کی آب و ہوا سے ڈرتی تھیں ۔اس لیے بی بی حلیمہ کے مشورے

Marfat.com

سے کہا کہ انہیں پھر ریگستان کو لے جاؤ۔ چنانچہ حضوؐر اور تین سال اپنی رضائی ماں کے ہاں رہے۔ چھٹے سال میں قدم رکھا تھا کہ حلیمہ ان کی والدہ کے پاس لے آئی۔ (اس دوران حلیمہ کے خاندان نے آپؐ کی بہت سی برکات کا مشاہدہ کیا۔)

احسان مندی کی دوسری مثال

جناب سرورِ دو عالم ﷺ کو اپنی رضائی ماں سے ایسی ہی محبت تھی جیسی کہ اپنی اصلی ماں سے، اور اس کی محبت اور شفقتوں کو ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ اس واقع کے کئی سال بعد بنی ہوازن کے علاقے میں خشک سالی کا حملہ ہوا۔ بارش نہ ہوئی اور پانی اور چارے کی تنگی سے ان کے بہت مویشی مر گئے۔ لوگ قحط سے پریشان تھے اس مصیبت کے دنوں میں حضوؐر نے حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا اور اس بزرگ خاتون نے حلیمہ کو ایک اونٹ، چالیس بکریاں اور کچھ کھانے کا سامان دیا۔ جب حضوؐر مدینہ کے والی بن گئے تو حلیمہ ایک دفعہ آپؐ سے ملنے آئی۔ پیغمبر اعظم نے ''میری ماں، میری ماں'' کہہ کر اس کو پکارا۔ خوشی سے بغل گیر ہوئے اور اس کے بیٹھنے کو اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی۔ حضوؐر نے جب نبوت کا اعلان کیا تو حلیمہ اور اس کا خاوند دونوں مسلمان ہو گئے۔ بی بی حلیمہ کا نام ہمیشہ عزت سے لینا چاہئے۔ کیونکہ اس نے ہمارے پیارے رسول ﷺ کو دودھ پلایا اور بڑی محبت سے پرورش کیا تھا۔

سفر مدینہ

ہاں تو جب حلیمہ حضوؐر کو واپس مکہ میں لے آئی تو آپ ﷺ اپنی والدہ کے ساتھ رہنے لگے۔ حضوؐر چھ برس کے تھے کہ آپؐ کی والدہ اپنے خاوند کی قبر کو دیکھنے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ عبداللہ کے دادا اور رسول اللہ ﷺ کے پڑدادا ہاشم نے مدینہ میں شادی کی تھی۔ ہاشم کی بیوی سلمٰی حضوؐر کی پڑدادی تھیں۔ اور بی بی آمنہ اسی کے خاندان (بنو نجار) میں جا کر ٹھہریں۔ حضوؐر بھی ساتھ تھے۔ ان دنوں مدینہ میں آپ ﷺ ایک اپنی ہم عمر لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور وہیں ایک چھوٹے تالاب میں آپ ﷺ نے تیرنا سیکھا۔ سرورِ دو عالم کا حافظہ بلا کا تھا۔ جو بات ایک دفعہ دیکھی یا سنی دل پر ایسی نقش ہو جاتی تھی کہ کبھی نہیں بھولتی تھی۔ جب آپ ﷺ ہجرت کے بعد دوبارہ مدینہ تشریف

Marfat.com

لائے تو بچپن کے یہ واقعات آپ ﷺ کو پوری طرح یاد تھے۔

والدہ کا انتقال

مدینہ میں ایک مہینہ ٹھہرنے کے بعد آپ ؐ کی والدہ مکرمہ مکہ کو واپس روانہ ہوئیں۔ لیکن مقام ابواپر جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، والدہ بیمار ہوئیں اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ غرض کہ چھے سال کی عمر میں ہمارے ہادی ومولاً دونوں طرف سے یتیم ہو گئے۔ والد تو آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ اب والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ دنیا میں اس طرح تنہا اور بے یار و مددگار رہ جانے پر آپ ﷺ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے ہوں گے۔ ماں اور باپ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا اور یتیمی ہمیشہ قابل رحم ہوتی ہے۔ والدہ کی وفات کا صدمہ آپ ﷺ کو بے حد شاق گزرا ہو گا۔ ترپن سال بعد حضورؐ کو پھر ابوا جانے کا اتفاق ہوا۔ جب آپ ؐ نے اپنی والدہ کی قبر دیکھی تو بچپن کا زمانہ اور ماں کی محبت یاد آ گئی۔ دل بھر آیا اور آپ ؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ؐ بہت رقیق القلب انسان تھے۔

اس سفر میں ایک لونڈی ام ایمن بھی ساتھ تھی۔ جو حضورؐ کو باپ سے ترکہ میں ملی تھی۔ والدہ کی وفات پر ام ایمن نے اس درِ یتیم ﷺ کو ساتھ لیا اور حفاظت سے مکہ پہنچایا۔ بوڑھا دادا عبدالمطلب ابھی زندہ تھا۔ دادا کو پوتے سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ عبدالمطلب آپ ﷺ کی پرورش کرنے لگا۔ لیکن وہ عمر کے اسی برس پہلے ہی پورے کر چکا تھا اور دو سال کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ دادا کی وفات پر آپ ؐ کے چچا ابو طالب حضورؐ کو اپنے گھر لے گئے اور آپ ؐ کی پرورش کرنے لگے۔

بچپن کی زندگی

حضورؐ اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ مکہ کے لڑکے اردگرد کی پہاڑیوں اور وادیوں میں اپنے مویشی چرانے جایا کرتے تھے۔ حضورؐ بھی ان کے ساتھ جاتے، وہاں اپنے ہم عمروں کے ساتھ دوڑیں لگاتے۔ کودتے پھاندتے، کھیلوں میں شریک ہوتے اور کالے کالے میٹھے بیر جو ان پہاڑیوں میں پیدا ہوتے ہیں، مزے لے کر کھاتے تھے۔ لڑکپن کی آزاد زندگی اور ریگستان کی کھلی، پاکیزہ اور صحت بخش ہوا نے اپنا کام کیا اور بدن طاقتور اور مردانہ ہو گیا۔

Marfat.com

چھٹا باب

عہدِ شباب

حضورؐ فخرِ دو جہاں کی سیرت بچپن سے ہی پیاری اور ہر دلعزیز تھی ۔ آپ ﷺ کے اطوار نہایت پسندیدہ تھے ۔ گفتار نہایت شائستہ اور پاکیزہ تھی ۔ جو کوئی آپؐ سے مدد چاہتا اس کی دست گیری کے لیے آپ ﷺ ہر وقت تیار رہتے تھے ۔ اور جس کسی کو آپ ﷺ سے واسطہ پڑتا تھا وہ آپ ﷺ کا دوست بن جاتا تھا ۔ مزاج میں نرمی اور انکسار تھا ۔ خو مردانہ تھی ۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے ۔ ہر ایک سے تپاک اور مروت سے پیش آتے تھے ۔ ان خوبیوں کی وجہ سے جان پہچان والے اور عزیز رشتہ دار سب آپؐ کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ آپؐ کے چچا ابو طالب کو آپؐ سے بہت محبت تھی ۔ ابو طالب اپنے بھتیجے کو ایسا چاہتے تھے کہ اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیتے تھے ۔ اپنے پاس ہی سلاتے ، اکٹھے کھانا کھاتے اور باہر جانا ہوتا تو ساتھ لے کر جاتے ۔

شام کا سفر

مکہ والوں کی طرح ابو طالب بھی سوداگر تھے ۔ حضورؐ بارہ برس کے تھے کہ چچا نے تجارت کی غرض سے شام کا ارادہ کیا وہ اکیلے جانا چاہتے تھے ۔ عزیز بھتیجے کو ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے کیونکہ سفر لمبا تھا ۔ حضورؐ ابھی کم عمر تھے لیکن حضور ﷺ نہ مانتے تھے ۔ چمٹ گئے اور ساتھ جانے کے لیے مصر ہوئے چچا کو بھی آپؐ کی جدائی شاق تھی ۔ مجبور ہو گئے اور آخر اپنے ساتھ شام کو لے گئے ۔

مشاہدہ کی قوت

ایک دور کے ملک میں حضور ﷺ کا یہ پہلا سفر تھا ۔ بڑے ہو کر جب آپؐ نے خود تجارت کا کاروبار شروع کیا تو کئی سفر کیے ۔ یمن اور بحرین جو خلیج فارس پر واقع ہیں ، دونوں دیکھے ۔ بحرین سے

Marfat.com

تو آپ بہت واقف تھے۔ حضور ﷺ میں مشاہدے کی قوت بہت زیادہ تھی۔ جہاں جاتے تھے، وہاں کے لوگوں کی عادات واطوار کو غور سے دیکھتے تھے اور کوئی چیز آپ ﷺ کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہتی تھی۔ ان تجارتی سفروں سے آپ نے یہ سیکھا کہ مختلف ملکوں کے لوگ کس طرح رہتے سہتے ہیں۔ کون کون سی صنعتیں ان کے ہاں ہیں۔ تجارت کا کونسا مال ان کے ہاں بک سکتا ہے اور ان کے رسوم اور عادات کیسی ہیں۔

حِلفُ الفَضُول

فخر دو عالم جب بیس برس کے قریب ہوئے تو آپ نے شہر کے معاملات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد مکّہ میں ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو گیا تھا۔ مسکینوں اور بے کسوں کو پناہ دینے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ مسافر دن دہاڑے مکّہ کے بازاروں میں لوٹ لیے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کو ظلم، جفا کاری اور بے انصافی سے طبعاً نفرت تھی۔ مکّہ والوں کے ظلم کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا۔ آپ مسافروں کو ان کے ظلم و زیادتی سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ایما سے ایک جلسہ ہوا۔ جس میں خاندان بنی ہاشم یعنی حضور ﷺ کا اپنا خاندان، حضور کی والدہ مکرمہ کا خاندان اور ایک اور خاندان شریک ہوئے۔ انہوں نے آپس میں عہد کیا کہ ہر ایک کمزور کو خواہ وہ مکّہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ غلام ہو کہ آزاد ہر ایک قسم کے ظلم اور جبر کے خلاف مدد دیں گے۔ اگر شہر میں کسی کا مال لوٹ لیا جائے تو اس کا مال اس کو واپس دلائیں گے۔ یا اپنی جیب سے اس کا نقصان پورا کریں گے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ اس جلسہ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ ﷺ بھی اس عہد میں شریک ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی میں کمزور کو پناہ دینے اور ظلم کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ہر ایک شخص کے ساتھ اس قسم کا عہد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ عہد تاریخ اسلام میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ (کیونکہ اس میں فضل نام کے بہت سے افراد شامل تھے۔)

مکّہ والوں کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوبیوں کا علم ہوتا جاتا تھا۔ آپ نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مکّہ کے امرا دولت کے نشے میں چور طرح طرح کی برائیوں میں غرق تھے اور اپنی

Marfat.com

بدیوں پر ناز کرتے تھے۔ سرورِ دو عالمؐ جوانی کے عالم میں ان لوگوں کے درمیان رہتے تھے، لیکن کوئی بدی آپؐ کو چھو تک نہ سکی۔ وہ فسق و فجور کی دنیا میں رہتے تھے لیکن آپؐ اس سے بے داغ رہے۔ آپؐ کی دیانت کا شہرہ شہر بھر میں تھا۔ وعدے کے نہایت پکے تھے۔ جو لفظ زبان سے نکلا، پتھر کی لکیر ہو گیا۔ جھوٹ سے بے حد نفرت تھی، عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولا۔

حضرت خدیجہؓ

مکہ میں خدیجہؓ نامی ایک خاتون رہتی تھیں۔ ان کا ذکر ہم نے اوپر بھی کیا ہے۔ حضورؐ سے دور کا رشتہ رکھتی تھیں۔ بیوہ تھیں (دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) اور نہایت دولت مند اور خوبصورت تھیں اور حسب نسب میں بھی بلند مرتبہ تھیں۔ بے حد نیک سیرت خاتون تھیں۔ ان کی نیکی اور پاکیزگی کی وجہ سے مکہ والوں نے آپ کو طاہرہ کا لقب دے رکھا تھا۔ ان کی خاندانی نجابت، نیک صفات اور دولت مندی کی وجہ سے مکہ کے کئی سرداروں نے ان کے ساتھ نکاح کی خواہش کی۔ لیکن خدیجہؓ نے سب کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا۔ وہ خود مختار رہنا چاہتی تھیں۔ تجارت بھی کرتی تھیں۔ آپ نے گماشتے رکھے ہوئے تھے جو ہر سال مال سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار کی قطار شام اور یمن کی طرف لے جاتے تھے۔ جب حضور ﷺ کی گوناگوں خوبیوں کی شہرت خدیجہؓ کے کانوں تک پہنچی تو حضورؐ کو بلا کر تجارتی امور سپرد کیے۔ چونکہ خاندانی قرابت بھی تھی، اس لیے اوروں کی نسبت آپ ﷺ کا معاوضہ دوگنا مقرر کیا۔ پھر اپنی طرف سے ملک شام کی طرف تجارت کے لیے روانہ کیا اور نوکر غلام ساتھ روانہ کیے۔

اس زمانے کے اور آج کے سوداگروں میں بہت فرق ہے۔ آج تو سب طرح کا امن ہے۔ لیکن عرب میں امن کہاں جو شخص قافلہ کا سالار ہو کر جاتا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ جانباز سپاہیوں کا سا حوصلہ اور دل گردہ رکھتا ہو۔ ڈاکوؤں کا مقابلہ کر سکے اور قافلے کو تمام خطروں سے صحیح سلامت نکال لائے۔ حضور ﷺ شام کو گئے۔ اپنا مال بیچا، وہاں کا خریدا اور مکہ معظمہ کو واپس تشریف لے آئے۔ سفر بہت کامیاب رہا۔ آگے کی نسبت دو چند منافع ہوا اور خدیجہؓ ان کی کاروباری لیاقت اور دیانت پر اش اش کر اٹھیں۔ اس کے بعد اور بھی تجارتی سفر آپؐ نے خدیجہؓ کی طرف سے کیے۔

Marfat.com

نکاح

ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ بہت محبوب اور پیارے انسان تھے اور جو کوئی آپ ﷺ کی سیرت سے واقف ہوتا آپ ﷺ کو محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا، جیسے جیسے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات، خیالات، عادات اور چلن کا علم ہوتا گیا، اس کو یقین ہوتا گیا کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ دوسروں سے بالکل الگ اور انوکھا انسان ہے۔ عادات واطوار سے ایسے شائستہ اور پاکیزہ تھے کہ دیکھنے والا مفتون ہو جاتا۔ گفتار ایسی شیریں اور مہذب تھی کہ بیان سے باہر۔ حضورؐ کا سینہ پاک اور اطوار ہر نقص سے بری تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی اور آپ ﷺ کی پچیس۔ حضورؐ کے اخلاق فاضلہ کی گرویدہ ہو گئیں اور شادی کا پیغام بھیجا۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ یہ شادی نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ میاں بی بی دونوں ہم پلہ تھے دونوں کے دل متحد ہو گئے۔ دونوں پاک طینت، پاک دل اور باطنی خوبیوں کے مجسم تھے۔ خلقِ خدا کی خدمت اور غریبوں کی امداد کرنا دونوں کا شیوہ تھا۔ خدیجہؓ صالحہ اور برگزیدہ عورت تھی تو حضورؐ ﷺ دنیا میں نیکی کے فرشتے تھے۔ دونوں میں گہری محبت تھی اور ایک دوسرے کا سچے دل سے احترام کرتے تھے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کے قائل تھے۔ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ سرور دو عالمؐ ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو گئے تھے۔ آپؐ کے والد نے جو ترکہ چھوڑا تھا وہ بہت تھوڑا تھا۔ اور آپؐ دولت مند نہیں تھے۔ لیکن حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو غنی کر دیا اور اپنی ساری دولت حضورؐ کے قدموں میں لا کر رکھ دی۔ یہ تھی ان کی محبت اور یہ تھا ان کا ایک دوسرے پر اعتبار اور اعتماد۔

اولاد

اس شادی سے حضور ﷺ کے ہاں پانچ اولادیں ہوئیں۔ پہلوٹھی کا بچہ لڑکا تھا، جس کا نام قاسم رکھا گیا تھا۔ عرب میں شرفا کو نام لے کر پکارنے کا دستور نہیں یا تو باپ کے نام سے ابن فلاں یا بیٹے کے نام سے ابو فلاں کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس قسم کے نام کو کنیت کہتے ہیں۔ قاسم کے پیدا ہونے

Marfat.com

پر آپؐ کی کنیت ابوالقاسمؐ ہوگئی۔ باقی چار لڑکیاں تھیں۔ جن کے نام زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ تھے۔ لڑکا بچپن میں ہی فوت ہوگیا۔ لیکن لڑکیوں کی بڑے ہو کر شادیاں ہوئیں، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

الامین

شادی کے بعد سرور دو عالمؐ تجارت کا کاروبار کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی دیانت و امانت، معاملہ کی صفائی اور راست گوئی کی شہرت دن بدن بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ قوم نے آپ ﷺ کو الامین کا خطاب دیا۔ مکہ اور گردونواح کے علاقے میں آپؐ اسی نام سے مشہور تھے۔ ہر ایک شخص آپؐ کی عزت کرتا تھا اور آپؐ پر اعتمادِ کلی رکھتا تھا۔ قوم کے اعتماد کی یہ حالت تھی کہ لوگوں نے آپؐ کو اپنا بنک بنا لیا۔ جن لوگوں کو اپنا مال حفاظت کے لیے کسی کے پاس رکھنا ہوتا تو حضور ﷺ کے پاس ہی امانت رکھ جاتے اور جب ضرورت پڑتی، لے جاتے تھے۔ یاد رکھو عرب میں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ چوری ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی اور ڈاکہ زنی ایک معزز پیشہ گنا جاتا تھا، جس میں سب شریک تھے۔ اس زمانے میں اس قسم کی دیانت اور امانت جیسی حضور ﷺ برتتے تھے، نہایت غیر معمولی بات تھی۔ بلکہ آج بھی غیر معمولی ہے۔

تعمیرِ کعبہ

سرور دو عالمؐ دنیا کے لیے رحمت اور برکت بن کر آئے تھے۔ اور مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔" جوانی سے ہی رحمت اور برکت کے کام کرتے آئے تھے۔ آپؐ پینتیس برس کے تھے۔ جب حضورؐ نے قوم کی ایک بہت بڑی خدمت کی اور ایک خون ریز جنگ کو ہوتے ہوتے روک دیا۔ ایک دفعہ بارش بڑے زور کی ہوئی جس سے کعبہ کو بہت نقصان پہنچا۔ ان دنوں کعبہ پر چھت نہیں تھی۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ اب کے کعبہ کو دوبارہ تعمیر کریں تو اس پر چھت بھی ڈال دیں۔ چنانچہ تعمیر کا کام شروع ہوا اور سرور دو عالمؐ بھی اس میں شریک ہوئے۔ لیکن جب حجر اسود کو اپنی جگہ پر لگانے کا وقت آیا تو فساد برپا ہونے لگا۔ حجر اسود بہت مقدس چیز ہے اور ہر ایک رئیس چاہتا تھا کہ اس کو دیوار میں لگانے کی عزت اس کے حصے میں ہی آئے۔ عزت اور فخر کے معاملات میں عرب بڑے اکھڑ اور ضدی واقع

Marfat.com

ہوئے تھے۔ اپنے دعویٰ سے کوئی دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں تاکہ اس سوال کا فیصلہ تلوار سے کیا جائے۔ قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل پڑیں اور مکے کے بازاروں میں خوں کی ندیاں بہہ نکلیں کہ کسی نے اس مشکل کو حل کرنے کی ایک راہ بتائی۔ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ کی چاردیواری میں داخل ہو، وہی اس مقدمے کا فیصلہ کرے یا خود اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود کو دیوار میں نصب کردے۔ اس تجویز کو سب نے مان لیا اور لگے انتظار کرنے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوا وہ حضرت فخرِ دوعالمؐ ہی تھے۔ آپؐ کی عزت سب کے دل میں تھی۔ سب کو آپ ﷺ کی دیانت اور انصاف پر بھروسا تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہی چلا اٹھے۔ وہ الامین آتے ہیں، ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے۔ مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ لیکن بجائے اس کے کہ حجرِ اسود کو نصب کرنے کی عزت خود حاصل کریں آپؐ نے ایک حیرت انگیز فیصلہ کیا۔ آپؐ نے اپنی چادر کندھوں سے اتار کر زمین پر بچھا دی، حجرِ اسود کو اس کے درمیان میں رکھا، اور مکّہ کے چار بڑے رئیسوں کو جو اس اعزاز کے لیے جھگڑ رہے تھے فرمایا کہ چادر کے چاروں کونے پکڑ کر اٹھاؤ۔ انہوں نے چادر کو اٹھایا جب پتھر کو نصب کرنے کے مقام پر برابر پہنچی تو حضورؐ نے ہاتھ سے پتھر کو کھسکا کر اپنی جگہ لگا دیا۔ اس پر سب فریق خوش ہو گئے۔ کسی کو کسی پر بڑائی کا دعویٰ نہ رہا۔ فساد کی آگ جو بھڑک رہی تھی فوراً دب گئی اور سب نے سرورِ دوعالمؐ کی دانائی اور انصاف کی تعریف کی۔ حضورؐ نے نہ صرف ایک خونریز جنگ روک دی بلکہ لوگوں کو ایثار، ضبطِ نفس، مساوات اور تعاون کا سبق سکھا دیا۔

حضرت علیؓ

اسی زمانے میں سرکارِ دوجہاںؐ نے شفقت و مروت کے دو اور کام کیے جن کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب بہت تنگ دست ہو گئے تھے۔ عیال زیادہ تھا، آمدنی کم اور گزران مشکل۔ اس پر طرہ یہ کہ ملک میں قحط پڑا ہوا تھا۔ چچا کی تکلیف کو دیکھ کر رحمتِ عالمؐ اپنے چچا عباسؓ کے پاس گئے اور کہا چچا جان آپ جانتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابو طالب تنگ دست ہیں اور کنبہ زیادہ رکھتے ہیں۔ وہ آج کل تکلیف میں ہیں۔ آپ بھی دولت مند ہیں اور میرے پاس بھی مال کی کمی

Marfat.com

نہیں۔بہتر ہے کہ ہم ان کا کچھ بوجھ ہلکا کر کے آپس میں تقسیم کرلیں۔ایک لڑکا آپ لے کر پالیں اور ایک لڑکے کو میں لے لیتا ہوں۔اس سے ان کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہو جائے گا۔چنانچہ عباسؓ جعفرؓ کو لے گئے۔ہمارے نبی کریم ﷺ علیؓ کو اپنے گھر لے آئے۔اور ابو طالب کا تیسرا لڑکا عقیل اپنے باپ کے پاس رہا۔حضرت علیؓ اس کے بعد حضورؐ کے گھر میں ہی رہتے رہے۔

زیدؓ بن حارثہ

مروت و ہمدردی کا دوسرا کام ایک اجنبی کے ساتھ تھا۔اس کا نام زیدؓ تھا۔زیدؓ ملک شام میں پیدا ہوئے تھے۔ابھی بچے ہی تھے کہ عرب لٹیروں کے ایک جتھے کے ہاتھ میں پڑ گئے۔جنہوں نے اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالا۔چنانچہ اسی حالت میں وہ مکہ آئے۔یکے بعد دیگرے کئی آقاؤں کے پاس رہ کر آخر کار وہ حضرت خدیجہؓ کی غلامی میں آئے۔حضرت خدیجہؓ نے اسے اپنے پیارے خاوند کی نذر کر دیا اور رحمت عالمؐ نے انہیں آزاد کر دیا لیکن زیدؓ پھر بھی حضورؐ کی خدمت میں رہتے رہے اور دونوں میں بہت دوستی ہوئی۔ادھر زیدؓ کا باپ اسے کئی سال سے تلاش کر رہا تھا۔پوچھتے پوچھتے اسے پتہ چلا کہ زیدؓ مکہ معظمہ میں ہے۔چنانچہ وہ مکہ معظمہ آیا اور سرور دو عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ زیدؓ کو جانے کی اجازت دیجئے۔حضور ﷺ نے فرمایا: زیدؓ ہماری طرف سے آزاد ہے میں فیصلہ اس کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔اگر وہ جانا چاہتا ہے تو شوق سے جائے۔اگر وہ میرے پاس ٹھہرنا چاہتا ہے تو شوق سے ٹھہرے۔لیکن حضور ﷺ کی شفقت اور مہربانی زیدؓ کے دل پر ایسا اثر کر چکی تھی کہ اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں ہی رہنا پسند کیا۔اور اس کے باپ کو بے نیلِ مرام واپس جانا پڑا۔

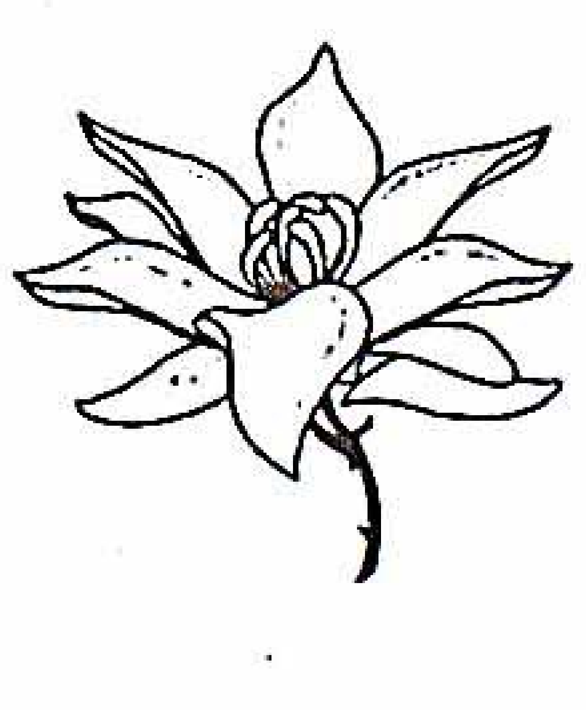

Marfat.com

ساتواں باب

بعثت

ہمارے نبی کریم ﷺ میں غور وفکر کی عادت شروع سے ہی تھی۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی یہ عادت بھی پختہ ہوتی گئی۔ ملک کی حالت نہایت خراب تھی، ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ زبردست کمزوروں کو کچلے ڈالتے تھے۔ امرا دولت کے نشے میں چور تھے۔ بدوی قبائل ڈاکوؤں سے بہتر نہ تھے۔ ملک میں ہر طرف خون ریزی برپا تھی۔ جہالت سب کے سر پر سوار تھی اور رحمت عالم ﷺ کو یہ فکر تھی کہ ملک کی حالت کو کس طرح سدھارا جائے اور قوم کو انسانیت کس طرح سکھائی جائے۔

تمام ملک بت پرستی میں مبتلا تھا۔ بت محض پتھر کی مورتیں تھیں جو نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتی تھیں نہ نقصان۔ اور ان کی پوجا کرنا محض احمقوں کا کام تھا۔ سرور دو عالم ﷺ کو بتوں سے سخت نفرت تھی۔ کبھی کسی بت کے نزدیک تک نہیں گئے۔ اور جو گوشت بتوں پر چڑھاوا چڑھتا تھا، آپ ﷺ نہیں کھاتے تھے۔ حضورؐ نے شام میں یہود اور عیسائیوں کو دیکھا تھا۔ یہود اپنے آپ کو خدا کی چہیتی قوم سمجھتے تھے اور دنیا کی سب قوموں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے کئی فرقے تھے جو آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ہادی برحق ﷺ کو یہ باتیں ناپسند تھیں۔ حضورؐ کا دل حق وصداقت کی روشنی کی تلاش میں تھا۔ وہ روشنی نہ یہود سے نہ عیسائیوں سے اور نہ ہی اپنے ہم وطنوں سے مل سکتی تھی جو خود بت پرستی کی گمراہی میں پھنسے ہوئے تھے۔

پہلی پکار

مکہ سے قریباً تین میل کے فاصلے پر پہاڑ میں ایک غار ہے جسے غارِ حرا کہتے ہیں۔ حضورؐ تنہائی میں غور وفکر کرنے کے لیے اس غار کو جایا کرتے تھے۔ کچھ کھانا اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور غار میں بیٹھ

Marfat.com

کر دعا اور گہرے فکروں میں مصروف رہتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی مہینے بلکہ کئی سال تک جاری رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ ﷺ کو رفتہ رفتہ خواب دکھائی دینے لگے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے ہو بہو ویسا ہی ہو جاتا تھا۔ پھر ہوتے ہوتے خواب زیادہ صاف ہونے لگے، ایسے کہ گویا ظاہر کی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک دن حضورؐ خیال میں غرق اور تمام دنیا سے بے خبر ہوئے بیٹھے تھے کہ یکایک علم و معرفت کا نور آپؐ کے دل پر جلوہ گر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک آواز آئی، یہ آواز وحی کی آواز تھی اور فرشتے نے آپ کو بشارت دی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے مقام پر کھڑا کیا ہے۔ اور جہاں والوں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حکم ہوا کہ آپؐ دنیا کو ایک نیا راستہ اور نئی ہدایت سکھائیں۔ آپؐ دنیا والوں کو بتا دیں کہ سب کا خدا ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی عبادت کرنی چاہیئے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ بت پرستی ایک احمقانہ فعل ہے جس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ ہر ایک قسم کی بدیوں سے توبہ کر کے پاکیزہ زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ عرب کے لوگ جاہل تھے اور ان کی بداعمالیاں محض جہالت کی وجہ سے تھیں۔ لیکن اسلام جو حقیقی علم ہے ان کو شریف، پاکباز اور طاقتور بنا دے گا۔ اس لیے انہیں چاہیئے کہ دین اسلام اختیار کریں۔ اور بت پرستی اور جہالت کو چھوڑ دیں وحی الٰہی کی یہ پکار حضورؐ کو ۶۱۰ء میں ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال تھی۔

الغرض حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ کے رسول بن گئے اور ایک نہایت مشکل اور کٹھن کام آپؐ کے سپرد کر دیا گیا۔ قوم کی اصلاح کوئی آسان کام نہیں اور وہ بھی جاہلیت کے عرب جو ڈاکہ زنی اور خون ریزی اور اپنی گوناگوں شرارتوں پر ناز کرتے تھے۔ حضور ﷺ کو یہ کام سپرد ہوا کہ اس اکھڑ قوم کو انسان بنائیں۔ ان کو بدیوں اور گناہوں سے چھڑا کر نیکیاں سکھائیں اور ان میں اتفاق پیدا کر کے ایک زبردست قوم بنا دیں۔ تاکہ وہ قوم آپؐ کے ہاتھوں سے تربیت پا کر باقی دنیا کو اسلام کی دعوت دے اور گمراہی کی تاریکی کو دور کر کے علم و تہذیب کی روشنی سے جہاں کو منور کر دے۔

یہ کام بہت جوکھوں کا تھا۔ عرب ضدی جھگڑالو اور اکھڑ قوم تھے۔ عیش و عشرت اور فسق و فجور کے دلدادہ تھے۔ جناب سرور دو عالمؐ نے ان باتوں پر غور کیا اور سوچا کہ کیا قوم میری بات سنے گی؟ اگر میں

Marfat.com

ان کو کہوں کہ تمہارے اعمال بد ہیں۔ ان سے توبہ کرو تو وہ میرے دشمن بن جائیں گے۔ میری ہنسی اڑائیں گے، میرے خلاف جنگ کریں گے اور قتل کرنے کی کوشش کریں گے۔ رحمت عالم ﷺ اکیلے تھے۔ کوئی لشکر فوج آپؐ کے پاس نہ تھی۔ کوئی بڑے خزانے نہیں تھے کہ لوگوں میں روپیہ بکھیر کر ان کو اپنا بنا لیتے۔ سارا ملک ایک رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ اور اب اس ذات واحد کو اکیلے سارے ملک کا مقابلہ کرنا تھا۔ مگر آپؐ یقین کی دولت سے مالا مال تھے اور اسی ناتے کفر کو مٹانے اور توحید کو پھیلانے کا عزم کر لیا۔

پہلے مسلمان

ہمارے رسول مقبولؐ اپنی قوم کی خصلت سے خوب واقف تھے۔ آپؐ نے تمام خطرات پر غور فرمایا اور فیصلہ کیا کہ حکمت اور احتیاط سے چلنا چاہئے۔ اور سب سے پہلے اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور قریبی دوستوں کو اسلام کی طرف بلانا چاہئے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے حرم محترم خدیجہؓ کے پاس گئے اور جو کچھ غارِ حرا کے اندر پیش آیا تھا۔ بیان فرمایا۔ خدیجہؓ سے بہتر آپؐ کے حالات، خیالات اور اخلاق کو جاننے والا کوئی نہ تھا۔ بیوی ہونے کی وجہ سے وہ حضور ﷺ کے ظاہر و باطن کو نہایت اچھی طرح سے سمجھتی تھیں۔ آپؐ مہمان نواز تھے، مسافروں، غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتے اور پرورش فرماتے تھے۔ بے کس کے حامی و مددگار تھے۔ فرشتہ سیرت انسان تھے۔ نیکی کے جو کام اوروں سے شاذ و نادر ہوتے ہیں آپؐ کے روزمرہ کے کام تھے۔ اگر کوئی انسان اس قابل تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے اور قوم کا ہادی و رہنما بنانے کے لیے منتخب ہوتا تو حضور علیہ السلام ہی تھے۔ حضرت خدیجہؓ ان خوبیوں سے خوب واقف تھیں۔ چنانچہ فوراً ایمان لے آئیں، سب سے پہلے وہی اسلام میں داخل ہوئیں۔

حضور کے عم زاد بھائی حضرت علیؓ جو ابھی دس گیارہ برس کے لڑکے تھے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا آپؐ ہی کے ہاں رہتے تھے۔ حضورؐ کی بیٹیاں، زیدؓ بن حارثہ، جسے حضورؐ نے آزادی بخشی تھی یہ لوگ بھی فوراً ہی اسلام لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے نام سے ہر ایک مسلمان واقف ہے۔ آپ اسلام کے بہترین خادموں میں گنے جاتے ہیں۔ مکہ میں تجارت کرتے تھے اور بہت دولت مند تھے۔ دانائی اور

Marfat.com

معاملہ فہمی کے لیے ایسے مشہور تھے کہ مکّہ کے لوگ اپنے کاروبار کے متعلق آپ سے آ آ کر صلاح لیا کرتے تھے۔ بڑے نرم دل انسان تھے اور سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے۔ حضورؐ فخرِ دو جہاں سے عمر میں دو برس چھوٹے تھے۔ دور کا رشتہ بھی تھا اور جوانی سے دونوں میں گہری دوستی اور محبت تھی۔ ابوبکرؓ نے جب سنا کہ حضورؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو فوراً پکار اٹھے ضرور درست ہوگا کیونکہ محمد ﷺ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ وہ بھی ایمان لے آئے۔

پہلے تین سال

سرورِ دو عالم ﷺ تین سال تک خاموشی سے اپنے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں میں تبلیغ فرماتے رہے۔ اس زمانے میں چند اور دولت مند سوداگر اور جانباز بہادر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ مکّے کے مختلف خاندانوں سے تھے اور صرف تھوڑے ہی رسول اللہ ﷺ کے قریبی تھے۔ جو لوگ اس زمانے میں اسلام لائے قریباً سب کے سب بعد میں شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکے۔ اور بڑے بلند مراتب پر فائز ہوئے۔ ان میں ایک حضرت عثمانؓ تھے، جو رسول اللہ کی دامادی میں آئے۔ حضورؐ کی دوسری صاحبزادی رقیہؓ کے ساتھ شادی کی اور حضورؐ کے تیسرے خلیفہ بنے۔ ایک دوسرے صاحب سعد بن ابی وقاصؓ تھے جو فاتح ایران بنے۔

یہ دولت مند سوداگر اور بہادر بڑے گھرانوں سے تھے، ان کے علاوہ کچھ غریب دستکار، درزی، لوہار وغیرہ اور کچھ غلام بھی تھے، جو اس زمانے میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ان تین سالوں میں کل چالیس مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں زیادہ تعداد غریب دستکاروں اور غلاموں کی تھی۔ اس زمانے میں تبلیغ چھپ چھپ کر اور چپکے چپکے ہوتی تھی۔ مسلمان خاموشی کے ساتھ ایک مکان (دارِ ارقمؓ) میں جمع ہو جاتے اور سرورِ دو عالمؐ ان کو قرآن کریم سکھاتے۔ بعض اوقات مکّہ کے باہر پہاڑیوں میں جمع ہو جاتے تھے، جہاں لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتے تھے اور مل کر نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے چچازاد بھائی علیؓ اور اسی طرح چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت علیؓ کے والد ابو طالب وہاں آ پہنچے ان کو نماز پڑھتے دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور دیکھتے

Marfat.com

رہے، جب نماز ہو چکی تو ابو طالب نے پوچھا: جانِ عم! یہ کون سا مذہب ہے جس کی تم نماز پڑھ رہے ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: چچا جان! یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ یہ وہی دین ہے جو ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ یہ صداقت اور حق کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام پر مقرر کیا ہے کہ یہ دین دنیا کو سکھاؤں۔ چچا جان! آپ نیک ہیں اور اس قابل ہیں کہ اسلام کی دولت سے بہرہ مند ہوں۔ حق کو قبول کریں اور اس کے پھیلانے میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ ابو طالب نے جواب دیا: مرحوم بھائی کے بیٹے! میں اپنے بزرگوں کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن خدا کی قسم! جب تک جسم میں جان ہے تیرے لیے سینہ سپر ہو جاؤں گا اور کسی کی مجال نہیں ہو گی کہ تیرا بال بھی بیکا کرے پھر اپنے بیٹے کی طرف پلٹ کر کہا: او برخوردار! تمہارا دین کون سا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا: میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں اور اللہ کے رسول کی ہی پیروی کروں گا۔

ابو طالب نے جواب دیا: جان پدر! محمد (ﷺ) تمہیں کبھی کوئی بری بات نہیں سکھائیں گے، تم بے شک انہی کے ساتھ رہو۔

بڑھے چچا کو سرورِ دو عالمؐ کی شرافت، پاکیزگی اور بزرگی پر جو اعتماد تھا وہ اس واقعہ سے ثابت ہے۔

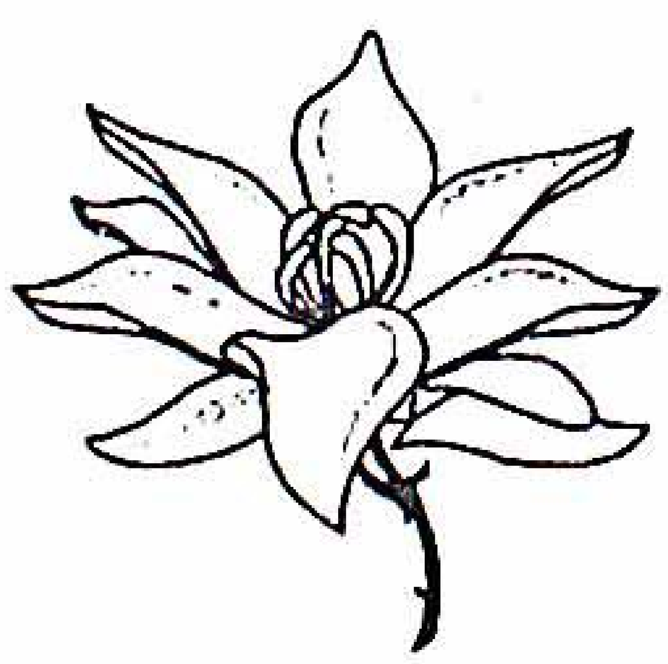

Marfat.com

آٹھواں باب

ہجرت حبشہ

دعوت عام

رحمت عالم ﷺ تین سال تک خاموشی کے ساتھ تنہائی میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آخر جناب باری کی طرف سے حکم ہوا کہ کھلم کھلا کہو۔ پکار کر کہو اور صلائے عام دو۔ اس پر سرور دو عالم ﷺ نے کوہِ صفا کی گھاٹی پر قریش کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے اہل مکہ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے کو تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کو باور کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ہم یقیناً باور کریں گے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس پر رحمت عالمؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ خدائے واحد ولاشریک کی عبادت کرو، بت پرستی سے توبہ کرو۔ فسق و فجور کو چھوڑ دو۔ بدیوں سے باز آؤ اور نیکی اختیار کرو۔ دیکھو یہ پیغام میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اس پر ایمان لاؤ۔ بات تو ان کی بھلائی کی تھی لیکن بگڑے دل اور جاہل قریش کب مانتے تھے۔ بڑے مغرور تھے اور اپنے برابر کسی کو نہ جانتے تھے۔ طیش میں آ گئے اور بکتے بکاتے گھروں کو واپس گئے۔

لیکن سرور دو عالم ﷺ بھی ہمت ہارنے والے نہ تھے۔ جب بھی اور جہاں کہیں موقع ملتا ان کو حق کی طرف بلاتے اور سچائی کا راستہ بتاتے۔ بہت بحثیں ہوتیں۔ عقل مند آدمی جو بات اچھی ہو اور معقول نظر آئے، اسے قبول کر لیتا ہے۔ لیکن جہلا ہوتے ہیں عقل کے دشمن۔ وہ عقل کی بجائے اپنے رسم و رواج کے بندے ہوتے ہیں۔ جیسا دوسروں کو کرتے دیکھتے ہیں اور جو کچھ باپ دادا کرتے آئے ہیں وہی کریں گے۔ خواہ وہ بیوقوفی کی بات ہی ہو۔ چنانچہ قریش بھی جب رسول اللہ ﷺ کے دلائل سے عاجز آ جاتے تو آخر کار یہی کہتے۔ ہمارے باپ دادا انھی بتوں کو پوجتے

Marfat.com

آ ئے ہیں ۔باپ دادا کی پیروی کریں کہ تمہاری ۔کیا تم ہمارے باپ دادا سے زیادہ عقل مند ہو ؟ہم تو ہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں ۔ہمیں کسی نئے مذہب کی ضرورت نہیں ۔رسول اللہ ﷺ جواب دیتے کہ تمہارے باپ دادا جاہل تھے اور کیا تم بھی جاہل ہو؟ تمہارے بت صرف پتھر کی مورتیں ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔وہ ناچیز محض ہیں ۔محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ رکھے ہیں ۔وہ نہ سن سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے زمین میں ایک نئی زندگی آ جاتی ہے، وہ تمہارے لیے قسم قسم کے غلے، اناج اور پھل پھول پیدا کرتا ہے۔ جب تم سو رہے ہوتے ہو تو وہ تمہاری حفاظت کرتا ہے، وہ تمہیں بیٹے اور بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور مال و دولت دیتا ہے، وہی ایک ذات ہے جو عبادت کے لائق ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے رہیں گے، وہ جہنم کی خوراک بنیں گے۔

مخالفت کی وجوہات

مکہ میں جرم و عصیان کی کمی نہ تھی ۔رؤسا کا طبقہ خاص طور پر بگڑا ہوا تھا۔ دروغ گوئی، غیبت، شراب خوری، قمار بازی اور بیسیوں اور شرمناک عیب تھے ۔رسول اللہ ﷺ انہیں تنبیہ فرماتے کہ گناہوں اور بداعمالیوں سے توبہ کرو۔ اور اپنی زندگیوں کو سنوارو۔ ان میں ایسے بددیانت دوکان دار بھی تھے جو ماپ تول میں بددیانتی کرتے تھے ۔رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ ماپ تول میں کمی کرنا پرلے درجہ کا کمینہ پن ہے ۔جو دوسرں کو دھوکا دے گا اور معاملے کا صاف نہ ہو گا، وہ دوزخ کی آگ کا ایندھن بنے گا۔ جن بدمعاشوں پر ان نصائح کی چوٹ پڑتی تھی وہ غصے سے پیچ و تاب کھانے لگتے تھے۔ اس قسم کی مباحث ہر روز ہوتے تھے ۔سرورِ دو عالم ﷺ ہمیشہ پکی بات کہتے تھے۔ آپؐ کے دلائل کا توڑ ممکن نہیں تھا۔ بہت سے نیک سیرت لوگوں پر آپؐ کے وعظ و نصیحت کا اثر ہوا اور اسلام میں داخل ہو گئے ۔حضورؐ کی کامیابی کو دیکھ کر مکہ والے جھنجھلائے اور بڑے اندیشے میں پڑ گئے ۔ان میں بعض تو ایسے تھے جو محض حسد کی بنا پر حضورؐ سرورِ دو عالم کی مخالفت کرتے تھے ۔ان کو ڈر تھا کہ اگر بہت لوگ

Marfat.com

اسلام میں داخل ہو گئے تو محمد ﷺ اور خاندان بنی ہاشم بہت طاقتور ہو جائیں گے اور ان کے اپنے خاندانوں کا اثر ورسوخ مٹ جائے گا۔

مکے والوں کی مخالفت کی ایک دوسری وجہ بھی تھی۔قریش کی دولت مندی اور ان کی عزت و وقار کا انحصار جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس بات پر تھا کہ کعبہ جیسا مذہبی مرکز مکہ میں تھا۔اور سال بہ سال سارا ملک حج کرنے کو وہیں آتا تھا۔قریش کو ڈر تھا کہ اگر اسلام طاقت پکڑ گیا اور بتوں کی پرستش بند ہو گئی تو عرب کے قبائل مکہ کو آنا چھوڑ دیں گے۔جس سے قریش کی تجارت فنا ہو جائے گی اور انہیں قبائل میں وہ رسوخ نہیں رہے گا جو اس وقت تک حاصل تھا۔

قریش کی مخالفت کی ایک وجہ اور بھی تھی۔اسلام مساوات سکھاتا ہے۔اور کہتا ہے کہ خدا کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔زبردست کو حق نہیں پہنچتا کہ کمزور پر ظلم کرے اور امرا کو حق نہیں کہ غربا کو لوٹیں دولت مند لوگ عموماً سنگ دل ہوتے ہیں۔ان کو غربا کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور ان کی تکالیف پر ان کو رحم نہیں آیا کرتا۔غربا کی محنت مشقت سے وہ پھلتے پھولتے اور موٹے ہوتے ہیں۔لیکن ان کے ساتھ بڑی بے دردی کا سلوک کیا کرتے ہیں۔اسلام اس کو منع کرتا ہے اور سکھاتا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔خدا کے غضب سے بچ نہیں سکتے۔مکہ کے دولت مند رؤسا کو یہ تعلیمات ناپسند تھیں۔ان کا ایمان تو جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کے اصول پر تھا۔وہ سمجھتے تھے کہ غربا پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ ہماری خدمت کریں۔غربا اور کمزوروں کو اپنے جیسا انسان سمجھنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

لالچ

ان وجوہات سے مکہ والوں نے جناب سرور کائنات ﷺ کی مخالفت شروع کر دی۔پہلے تو لالچ دینے کی کوشش کی،دولت والوں کے پاکھنڈ کون نہیں جانتا۔جو اس زمانے میں ہیں وہی اس زمانے میں تھے۔روپیہ پیش کیا اور کہنے لگے،روپے کی ضرورت ہے تو جتنا جی چاہے ہم سے لے لو۔وعظ و نصیحت کو چھوڑ دو۔بتوں کو برا نہ کہو ہم آپؐ کو اتنا روپیہ دے دیں گے کہ عرب میں سب سے زیادہ

Marfat.com

دولت مند بن جاؤ گے۔ سرور دو عالم ﷺ کو روپیہ سے کیا واسطہ، وہ تو حق کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے: دوستو! میں اپنے لیے کچھ نہیں مانگتا۔ میں تم سے صرف یہ کہتا ہوں کہ ایک خدا کو مانو، بت پرستی کو چھوڑ دو، گناہوں اور بدکاریوں سے توبہ کرو۔ اور نیکی اور پاکبازی کی زندگی بسر کرو۔

دھمکیاں

قریش نے جب دیکھا کہ داؤ خالی گیا۔ یہ مرد خدا روپے پر تھوکتا بھی نہیں۔ تو انہوں نے سرمایہ داروں کا دوسرا داؤ کیا۔ جو کام روپے سے نہ نکلتا تھا دھمکیوں سے نکالنا چاہا۔ چنانچہ آپؐ کے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے: تمہارا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کو برا کہتا ہے ان کو اینٹ پتھر بتاتا ہے ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو احمق کہتا ہے، یا تو اپنی پناہ اٹھالو اور تنہا چھوڑ دو کہ ہم اس سے نپٹ لیں یا پھر تم بھی کھلے میدان میں نکل آؤ تاکہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے۔

استقلال

ابو طالب ایک دم کے لیے لڑکھڑا گئے۔ بڈھے تھے اور ساری قوم کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہنے لگے: جان عم! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ اٹھا نہ سکوں۔ ابو طالب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے حد محبت تھی، اپنا لخت جگر سمجھتے تھے۔ حضورؐ آٹھ برس کے تھے جب سے ابو طالب نے آپؐ کی پرورش شروع کی تھی۔ اس زمانے سے ان میں گہری محبت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ اور عمر بھر کی محبت اور دوستی ٹوٹ جانے کو ہے۔ اس خیال سے رحمت عالم ﷺ کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو چل پڑے لیکن ہمت بلند تھی۔ ارادہ مضبوط تھا، پائے ثبات کو لغزش نہ آئی۔ چنانچہ پھر کر ابو طالب کو جواب دیا۔ چچا جان! اگر یہ لوگ مشرق و مغرب کی دولت میرے آگے لاکر رکھ دیں اور مجھے کہیں کہ جو کام میرے مولا نے میرے سپرد کیا ہے اس کو چھوڑ دوں تو میں اس کو قبول نہیں کروں گا۔ میں یا تو اس کام کو کر گزروں گا یا اسی کوشش میں فنا ہو جاؤں گا۔ ابو طالب بہت متاثر ہوئے۔ اور کہنے لگے: بیٹا جاؤ۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کسی کی مجال نہیں کہ تیرا بال بھی بیکا کرے۔

Marfat.com

مخالفت

قریش کے غیظ وغضب کی اب کوئی انتہا نہ رہی۔ جہاں کہیں کوئی مسلمان ان کو مل جاتا، اس کو مارتے پیٹتے اور جی کھول کر ستاتے۔ ان کے راستے میں کانٹے بچھاتے اور گڑھے کھودتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے رحمت عالم ﷺ کی گردن میں کپڑا ڈال کر ایسا بھینچا کہ مشکل سے جان بچی۔

حضور ﷺ پر کوڑا کرکٹ اور غلاظت پھینکی جاتی تھی۔ مسلمانوں کے لیے مکّہ کے بازاروں میں نکلنا مشکل ہو گیا۔ جو بڑے گھرانوں سے تھے، ان کو ان کے رشتہ دار عذاب دیتے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ تکالیف غریبوں اور غلاموں کو اٹھانی پڑتی تھیں۔ ان کے مالک ان کو مسلمان ہونے کی پاداش میں سخت سزائیں دیتے اور بے دردی سے پیٹتے۔ ان کو کوڑے لگائے جاتے اور گلی کوچوں میں گھسیٹا جاتا۔ عرب کی دوپہر کی جھلسا دینے والی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا جاتا۔ اور ان کے سینوں پر بھاری بھاری پتھر رکھ دیئے جاتے تاکہ ہل نہ سکیں۔ حضرت خبابؓ کو جو لوہار کا پیشہ کرتے تھے۔ جلتے کوئلوں پر لٹایا گیا۔ ایک اور صحابی حضرت یاسرؓ اسی قسم کے عذاب سے شہید ہو گئے۔

غریب مسلمانوں کی حالت

مرد تو مرد ظالم جفاکار عورتوں کو بھی نہ چھوڑتے تھے۔ ان کو پیٹتے تھے، فاقوں مارتے تھے۔ ایک ظالم نے ایک مسلمان عورت کو برچھی سے قتل کر دیا اور ایک دوسری کو بدمعاشوں نے اندھا کر دیا۔ غلاموں کی مصیبت ناقابل برداشت تھی۔ اس مصیبت میں حضرت ابوبکرؓ کی دولت اور دریا دلی کام آئی۔ آپ نے ان میں سے بہتوں کو ان کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ ایک ایسا شریفانہ کام تھا جس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ غلاموں کو آزاد کرانے میں آپ نے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا دیا اور ایسا بے دریغ خرچ کیا کہ چالیس ہزار درہم میں سے آپ کے پاس کل پانچ ہزار درہم رہ گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنا روپیہ غریبوں اور غلاموں کی امداد میں بے دریغ خرچ کیا۔

قریش کی مخالفت جاری رہی۔ مکّہ والوں نے بہتیری کوشش کی کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں لیکن مسلمانوں کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور مکّہ والوں کو بری طرح کی ناکامی

Marfat.com

ہوئی۔ مسلمان اپنی تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔لیکن اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم جانوں پر کھیل جائیں گے۔لیکن رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔حضرت بلالؓ کو کون نہیں جانتا۔آج تک ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔آپ حبش کے رہنے والے اور مکّہ میں ایک شخص کے غلام تھے۔مسلمان ہوئے تو ان کا آقا ان کو ہر روز پیٹتا،طرح طرح کے عذاب دیتا وہ گلیوں میں گھسیٹے گئے،جلتی دھوپ میں ریت پر لٹائے گئے،کوڑے کھائے،لیکن اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت دل سے نہ نکلی۔جب بدن پر کوڑا پڑتا تھا تو ہائے وائے کی بجائے اَحَدْ اَحَدْ پکارتے تھے۔ یعنی کہ میں ایک اللہ کو قبول کر چکا ہوں۔اب اس راہ سے منہ نہیں پھیر سکتا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دریا دلی نے آخر ان کو بھی آئے دن کی مار پیٹ اور عذاب سے نجات دلائی۔ان کی قیمت ادا کر دی گئی اور آپ آزاد ہو گئے۔

ہجرت

ظلم و ستم کی آخر انتہا ہو گئی اور زیادہ صبر کرنا ناممکن ہو گیا۔رحمت عالم ﷺ کا دل ان حالات کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا تھا اور سوچتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو مکّہ والوں کے عذاب سے چھڑاؤں۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو صلاح دی کہ مکّہ سے نکل جائیں اور حبش میں جا کر پناہ لیں۔یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال کا ہے۔(اس پہلی ہجرت حبشہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔داماد رسولؐ حضرت عثمانؓ اس قافلے کے امیر تھے۔قریش کے اسلام قبول کرنے کی ایک غلط اطلاع پر یہ واپس لوٹے مگر غلط خبر کے باعث انہیں پھر حبشہ کی دوسری مرتبہ ہجرت کرنا پڑی اس مرتبہ) تراسی مسلمان مرد و اور انیس عورتیں حبش کو ہجرت کر گئے اور کئی ایک جن کے پاس سفر کا خرچ نہ تھا۔پیچھے رہ گئے۔ان مہاجرین کا مکّہ والوں نے تعاقب کیا لیکن وہ کشتی میں بیٹھ کر سمندر پار نکل گئے۔اس پر قریش نے شاہ حبش کے پاس اپنے وکیل بھیجے کہ پناہ گزینوں کو واپس بھیج دیں۔ان لوگوں نے ایک نیا دین بنالیا ہے اور سزا سے بچنے کو آپ کے ہاں بھاگ آئے ہیں۔بادشاہ نے مہاجرین کو بلا بھیجا اور نئے مذہب کے متعلق ان سے پوچھا۔حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ جو ایمان لا چکے تھے اور مکّہ سے ہجرت کر آئے تھے انہوں نے بڑھ کر جواب دیا۔

Marfat.com

حضرت جعفرؓ کا خطبہ

بادشاہ سلامت ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے۔ مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ ہمارا چلن نہایت پلید تھا۔ ہم ہمسائے اور قرابت داروں کا حق نہیں پہچانتے تھے۔ زبردست کمزور کو پیس دیتا تھا اور ان کا مال ان سے چھین لیتا تھا۔ ان حالات میں ہم میں سے ایک انسان اٹھا، جس کے حسب و نسب، خاندانی شرافت اور پاکیزہ زندگی سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ بت پرستی کو چھوڑ دیں، سچ بولیں، خون ریزی نہ کریں، زمین میں فساد نہ پھیلائیں اور پڑوسی کا حق پہچانیں۔ غربا اور مسکینوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ یتیم بچوں کا مال خورد برد نہ کریں اور عورتوں کی ناموس پر حملہ نہ کریں۔ ہم اس بزرگ انسان پر ایمان لے آئے اور بت پرستی اور بد کرداریوں سے توبہ کر چکے ہیں۔ یہی ہے ہمارا جرم جس کے لیے ہمارے ہم وطن ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم اسلام کو چھوڑ کر پھر کافر بن جائیں (اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں پھر سے حلال قرار دیں۔ جب انہوں نے ہم پر شدید سختی کی اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان روک بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے وطن کی طرف آنے کا ارادہ کیا اور آپ کی پناہ میں آنا قبول کیا۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ کے پاس ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔)

اس تقریر کے بعد حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم کا ایک رکوع پڑھ کر سنایا۔ قرآن کریم کی بلند تعلیم اور پاکیزہ زبان کا بادشاہ کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا، (اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو مسیح علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی قندیل کا نور ہیں۔) چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ میں مہاجروں کو ان کے دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ قریش کے وکیل مایوس ہو کر گھر آ گئے۔ اور مسلمان حبشہ میں رہ پڑے۔ (قریش کو ان کے تحائف واپس کر دیئے گئے اور وہ بے نیل مرام، شرمندہ ہو کر خالی ہاتھوں واپس آ گئے۔)

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

نواں باب

محاصرہ

(شعب ابی طالب)

عام مسلمان تو اپنی جانیں چھڑا کر حبش میں جا رہے۔ لیکن وہ قائدِ اعظم اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ قریش کی گالی گلوچ اور شرارتیں سب کچھ سہتا رہا لیکن وہ کوہِ ثبات اپنی جگہ سے نہ ٹلتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایک صاحب ارقمؓ نامی تھے جن کا ایک مکان پہاڑ کی کھوہ میں تھا۔ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے وہ چھپ چھپا کر اس مکان میں جمع ہو جاتے، مل کر نماز پڑھتے اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھتے۔

جب رات کی تاریکی چاروں طرف چھا جاتی تو وہ چپکے چپکے وہاں سے نکل کر اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ تبلیغ واشاعت کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام دور دور جا پہنچا تھا اور نئے نئے لوگ حصارِ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ہجرت حبشہ کے ایک سال بعد دو بڑے نامور شخص حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کے قبول اسلام کی حکایت بڑی دلچسپ ہے۔

مکہ میں ایک شخص عمرو نامی تھا۔ جو بہت دانا گنا جاتا تھا۔ مکہ والوں کے دستور کے خلاف اپنی دانائی کی شہرت کی بدولت چالیس سال کی عمر سے پہلے دارالندوہ کا رکن بن گیا تھا اور لوگوں نے اس کو ابو الحکم (دانائی کا باپ) کا خطاب دے رکھا تھا۔ مکہ میں وہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے اس کا نام ابو جہل یعنی جہالت کا باپ رکھ دیا۔ چنانچہ آج تک وہ اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

ہمارے رسول مقبول ﷺ کے ایک چچا تھے۔ جن کا نام حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب تھا۔ عمر میں چچا بھتیجا قریباً برابر تھے۔ اور دونوں میں گہرا یارانہ تھا۔ گو حمزہؓ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حمزہؓ سپاہی آدمی تھے، بہت بہادر تھے اور شکار کے بہت شائق تھے۔ صبح ہوتے ہی تیر کمان لے کر پہاڑیوں میں نکل جاتے اور دن بھر شکار کھیلتے۔

ایک دن ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کی شانِ مبارک میں بڑے گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ گالیاں دیں اور بہت بکواس کی۔ رحمت عالمؐ نے صبر کیا۔ جواب میں ایک لفظ نہ کہا اور چپ چاپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ کیونکہ فساد کے بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن حمزہؓ کی ایک لونڈی نے یہ سب ماجرا دیکھا اور سنتی رہی۔ جب حمزہؓ تیسرے پہر کمان شانے سے لٹکائے، پہاڑوں سے واپس آئے تو کنیز نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور بتایا کہ ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کو آج گالیاں دی ہیں۔ حمزہؓ کو طیش آ گیا۔ وہیں سے پلٹے اور کعبہ میں جا کر جہاں ابوجہل اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا، کمان اس کے منہ پر ماری اور کڑک کر کہا۔ اگر ہمت ہے تو آؤ اور دو ہاتھ دیکھو۔ کیونکہ آج سے میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں اور میں دیکھوں گا کہ تم میرے بھتیجے کی کس طرح بے عزتی کرتے ہو۔ حمزہؓ شہ زور انسان تھے۔ ابوجہل سہم گیا اور اف تک نہ کی۔ حمزہؓ کعبے سے نکل کر سیدھے گھر گئے۔ غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو دل میں سوچا کہ میں نے یہ کیا کیا۔ لیکن طبیعت میں جوش اور حق کی غیرت تھی۔ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اعلان کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

حضرت عمرؓ فاروق اعظم کا قبول اسلام اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز طریقے پر ہوا۔ عمرؓ بہت بڑا انسان گزرا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں بہت کم لوگ ہوئے ہیں جن کو ان کا ہم پلہ کہا جا سکے۔ وہ بھی روسائے قریش میں سے تھے اور اسلام اور حضور ﷺ کے سخت دشمن۔ ان کے ہاں کی ایک کنیز مسلمان ہو گئی تھی اور یہ اس کو ہر روز پیٹا کرتے تھے کہ شائد مار پیٹ سے تنگ آ کر وہ اسلام سے پھر جائے۔ لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ ایک دن سوچا کہ بہتر ہے کہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے تاکہ فساد کی جڑ ہی کٹ جائے

Marfat.com

اور ایک ہاتھ سے تمام معاملہ طے ہو جائے۔ چنانچہ تلوار باندھی اور سرکار دو عالم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ راہ میں ان کے ایک عزیز مل گئے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ گو عمر کو اس کا علم نہ تھا۔ عمر کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر مسلمان نے پوچھا: کیوں بھئی کہاں کا ارادہ ہے۔ کہنے لگے: (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کو قتل کرنے چلا ہوں۔ اس نے جواب دیا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو چکے ہوئے ہیں۔

یہ بات سنتے ہی عمر نے اپنی ہمشیرہ کے گھر کا رخ کیا۔ جب وہاں پہنچے تو ایک صحابی (خباب بن ارت) حضرت فاطمہؓ اور ان کے خاوند کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ عمرؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے قرآن کے ورق چھپا لیے۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ عمر اسلام کا سخت دشمن اور خونخوار انسان ہے۔ لیکن قران پڑھنے کی آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ آتے ہی پوچھا، بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ میں سنتا ہوں کہ تم محمدؐ کے پیرو ہو گئے ہو۔ یہ کہتے ہی بہنوئی پر ٹوٹ پڑے اور انہیں بری طرح زدوکوب کیا۔

بہن اپنے خاوند کو چھڑانے آئی، عمر نے اس کو بھی پیٹا۔ آخر کار بہن نے چلا کر کہا۔ عمر جو جی میں آئے کرو۔ یہ اب دلوں سے نہیں نکل سکتا۔ حضرت فاطمہؓ کے الفاظ میں ایک قوت اور ان کی آواز میں ایک رعب تھا کہ عمر نے جھٹ پلٹ کہ بہن کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اور کپڑے خون سے لال ہو رہے تھے۔ عمر شرمندہ ہو گیا۔ دل بھر آیا۔ بہن سے معافی مانگی اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہی تھیں مجھے بھی سناؤ۔ (حضرت عمرؓ کے غسل کی شرط پر) بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھ کر سنائی۔ ((جو کچھ آسمانوں میں اور زمین پر ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہی طاقت اور حکمت والا ہے۔)) وہ پڑھتی جاتی تھیں اور عمر کا سینہ نور ایمان سے روشن ہوتا جاتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں عمر کی کایا پلٹ گئی اور اسلام کا اقرار کیا۔ وہاں سے اٹھ کر ارقمؓ کے مکان پر پہنچے اور سرور دو عالم ﷺ کی خدمت میں عاجزانہ حاضر ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا حیرت انگیز اثر ہوا۔ مسلمانوں کی پارٹی ان کے شامل ہونے سے مضبوط ہو گئی اور وہ کعبہ میں آ کر علانیہ نماز پڑھنے لگے۔ ان کے قبول اسلام کی خبر سے کفار مکہ کے گھروں میں ماتم پڑ گیا۔

Marfat.com

قریش کے اندیشے

اب تو قریش کے ہوش اڑے۔ اسلام روز بروز پھیلتا جاتا تھا۔ حمزہؓ اور عمرؓ جیسے صاحب اثر اور طاقتور لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور قریباً ہر ایک اونچے گھرانے کے چند مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کفار مکہ نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ہم نے جلدی سے اس کا کوئی علاج نہ کیا اور اسلام کی بڑھتی ہوئی رَو کو نہ روکا تو تھوڑے ہی عرصے میں مسلمان زور پکڑ جائیں گے اور ہم برباد ہو جائیں گے۔ ہمارا اثر اور رسوخ جاتا رہے گا۔ ہماری عزت اور بڑائی خاک میں مل جائے گی اور ہماری کوئی بات بھی نہیں پوچھے گا۔

چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں مجلس کی اور فیصلہ کیا کہ بنی ہاشمکو بھوک اور پیاس سے ہلاک کر دیا جائے۔ جو جو کنبے حضرت سرور دو عالمؐ کے خلاف تھے۔ انہوں نے آپس میں ایک عہد کیا کہ بنی ہاشم کے ساتھ ہم کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔ ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں کریں گے۔ ان کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کریں گے۔ اناج غلّہ ان کو نہیں دیں گے۔ اور جب تک بنی ہاشم محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے نہیں کر دیں گے تا کہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ ہم ان کے ساتھ کوئی لین دین اور کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے۔ یہ معاہدہ (بغیض بن عامر بن ہاشم نے) لکھا۔ (رسول کریمؐ نے اس کے لیے بد دعا کی اور اس کا وہ ہاتھ شل ہو گیا۔) اس پر مہریں لگائی گئیں اور اسے کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

محاصرہ شعب ابی طالب

اس پر بنی ہاشم نے مناسب سمجھا کہ حفاظت کی خاطر سب کے سب ابو طالب کے محلّہ (شعب ابوطالب) میں آ رہیں۔ الغرض محاصرہ شروع ہو گیا۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے اور محاصرہ پورے تین سال جاری رہا۔ محصورین نے بھوک اور پیاس سے ان گنے عذاب سہے، بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ بعض اوقات ان کے پاس سوکھی کھالوں اور درختوں کے پتوں کے سوا کھانے کو کچھ نہ رہتا۔ محصورین میں سے بعض ایسے تھے جن کے دوست یا رشتہ دار دوسرے خاندانوں میں بھی تھے۔ یہ لوگ کبھی کبھی چوری چھپے کچھ غلّہ اندر پھینک دیتے تھے۔ جن سے محصورین کو بھی کبھی کبھار کھانے

Marfat.com

کو کچھ مل جاتا تھا۔ حج کے حرمت والے مہینوں میں جب کہ لڑائی منع ہوتی، یہ لوگ محاصرے سے نکلتے اور غیر قبائل سے اناج غلہ خرید لیتے۔ چونکہ لین دین سب بند تھا، تجارت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے سب قلاش ہو گئے اور نہ اتنا غلہ خرید سکتے تھے کہ سارے سال کے لیے کافی ہو۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت لوگوں کی امداد میں صرف کر دی۔ محصورین اس طرح عذاب میں گرفتار تھے کہ عورتوں اور بچوں کی بھوک سے رونے کی آوازیں محلے سے باہر سنائی دیتی تھیں۔

تین سال گزر گئے۔ آخرکار ان میں سے بعض کے رشتہ داروں کو ان پر رحم آیا اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ محاصرے کو اٹھا دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ کعبہ میں گئے اور معاہدے کے پرزے کر ڈالے۔ ابو جہل جیسے کٹر دشمنوں کے علاوہ سب لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ محاصرہ اٹھا دیا گیا اور مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔ (اس معاہدے کو کیڑوں نے چاٹ لیا تھا اور اس پر صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا۔)

انتقال ابو طالب و حضرت خدیجہؓ

اس سال یکے بعد دیگر دو بھاری صدمے رسول اللہ ﷺ کو برداشت کرنے پڑے۔ آپؐ کے چچا ابو طالب جو آپؐ کے دشمنوں کے خلاف دیوار آہن بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے پچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔ تھوڑے ہی دن بعد (رمضان ۱۰ نبوت میں) آپؐ کے حرم محترم ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت پچاس برس کی تھی۔ آپؐ کی بیاہتہ زندگی نہایت خوشی اور شادمانی کے ساتھ گذری تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی صحبت آپؐ کے لیے برکتوں اور روحانی خوشیوں کا سرچشمہ تھی۔ وہ پیاری رفیق زندگی جاتی رہی اور حضور اکیلے رہ گئے۔ پچیس سال کا رشتہ موت نے یوں توڑ دیا۔ حضورؐ کے دل پر حضرت خدیجہؓ کی وفات نے کیسی کیسی چوٹیں نہ لگائی ہوں گی۔ نبوت کا دسواں سال یوں ختم ہوا۔ اس سال کو ان موتوں کی وجہ سے عام الحزن کہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

دسواں باب

ہجرت مدینہ

قریش کی مخالفت جاری رہی۔ مکہ والوں کا دل پتھر ہو گیا تھا۔ اور پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کا کلام اس چٹان پر اثر نہ کرتا تھا۔ قریش نے دکھ دینے کے لیے نئے طریقے ایجاد کیے۔ ابو جہل اور کئی ایک رئیس جو حضورؐ کے سخت دشمن تھے۔ پڑوس میں رہتے تھے وہ حضور ﷺ کے گھر میں غلاظت پھینک دیتے۔ جب حضور ﷺ بازاروں میں نکلتے تو آپؐ پر خاک اور کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا۔ بدمعاش لوگوں کو کہتے پھرتے کہ یہ شخص (نعوذ باللہ) دیوانہ ہو گیا ہے اور اس پر بھوت کا سایہ ہے۔ وہ بازاری لونڈوں کو اکسا کر حضورؐ کے پیچھے لگا دیتے کہ دق کریں، ستائیں اور تالیاں بجائیں۔

سفر طائف

سرکار دو عالم ﷺ بے حد جری اور نڈر انسان تھے۔ مصائب اور مشکلات سے ہرگز نہیں گھبراتے تھے۔ مکہ والوں کی مخالفت اور ان کا جور و ستم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ارادے سے پھیر نہیں سکتا تھا۔ حضورؐ کو اپنے مشن پر پورا اعتماد تھا اور جانتے تھے کہ میں ضرور کامیاب ہو کر رہوں گا۔ فرمایا کہ اگر مکہ والے میری بات نہیں سنتے نہ سنیں۔ میں اوروں کے پاس جاؤں گا اور ان کو پیامِ حق سناؤں گا۔ چنانچہ حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے اور شہر کے رئیسوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے بھی پروا نہ کی۔ طائف والے مکہ والوں کے قریبی رشتہ دار اور ان کے زیر اثر تھے۔ انہوں نے مکہ والوں سے بھی زیادہ برا سلوک حضورؐ کے ساتھ کیا۔ انہوں نے شہر کے غنڈے حضور ﷺ کے پیچھے لگا دیئے جو تالیاں بجاتے آوازے کستے اور پتھر پھینکتے جاتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ کی دونوں ٹانگیں پتھروں سے زخمی ہو گئیں اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ اگر حضور ﷺ ستانے کے لیے کہیں ٹھہرتے تو بدمعاش حضورؐ کو

Marfat.com

ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کرتے، آگے کو دھکیلتے اور پتھر پھینکتے۔ شہر سے دو تین میل باہر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کا مالک مکہ کا رہنے والا تھا، اسے معلوم تھا کہ آپؐ مکہ کے ایک شریف خاندان سے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ انگوروں کے خوشے کشتی میں لگا کر بھیجے۔ حضور ﷺ اس وقت بھی اپنے اصل فرض کو نہ بھولے۔ آپؐ نے غلام کے ساتھ باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی۔ غلام کا دل نور اسلام سے روشن ہو گیا اور وہ ایمان لے آیا۔

دشمنوں کے لیے دعا

حضور ﷺ نے انگور کھائے۔ جب ذرا تازہ دم ہوئے تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے مولا کریم! اگر تو مجھ سے ناخوش نہیں تو مجھے کسی کا ڈر نہیں، ان لوگوں کو معاف فرما کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور انہیں ہدایت دے کہ راستی کو پہچانیں۔ یہ تھا رحمت عالم ﷺ کے دل کا نقشہ۔ بد ترین دشمنوں کے لیے بھی آپؐ رحمت اور عفوِ مجسّم تھے۔

اسلام مدینہ میں

رسول اللہ ﷺ اب مکہ کو واپس پھرے، جہاں موقعہ ملتا تبلیغ فرماتے، لیکن مخالفت زیادہ تھی اور کامیابی کم۔ اتنے میں حج کے دن آ پہنچے۔ حسبِ معمول قبائل عرب تمام اطراف سے جمع ہوئے اور عکاظ کے میدان پر جہاں بیس دن کا میلہ لگا کرتا تھا، خیمہ زن ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ قبیلے قبیلے کے پاس گئے۔ آپؐ کے دشمن بھی ساتھ ساتھ جاتے اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتے کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے اس کی باتیں نہ سنو۔ جن کو حضورؐ کی تعلیمات پسند آتی تھیں، وہ مکہ والوں اور اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ آخر کار ایک دن رات کے وقت مدینہ کے چھ آدمیوں کو حضور ﷺ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کا نام اور پتہ پوچھا۔ یہ اسعدؓ بن زرارہ، عوفؓ بن حارث، رافعؓ بن مالک، قطبہؓ بن عامر، عقبہؓ بن عامر اور حارثؓ بن عبداللہ تھے۔ انہوں نے کہا ہم مدینے سے آئے ہیں اور ان میں سے ایک کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ یاد ہوگا کہ حضور ﷺ کی پڑدادی سلمہ اسی قبیلے سے تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کو اسلام کی تبلیغ کی۔ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام کا پیغام اپنے

Marfat.com

ساتھ مدینے لے گئے۔

پہلی بیعت عقبہ

اگلے سال (ذوالحجہ ۱۲ہجری) حج کے موقعہ پر بارہ اور آدمی حضور ﷺ کی ملاقات کے لیے مدینہ سے آئے۔ اور عقبہ نام ایک مقام پر پوشیدہ طور پر ملے۔ تاریخ اسلام میں یہ مقام بہت مشہور ہے اور اس کا نام یاد رکھنا چاہیے۔ وہ بارہ کے بارہ مسلمان ہوگئے اور انہوں نے عرض کی کہ ہمارے ساتھ ایک مسلمان معلّم روانہ فرما دیجیے کہ ہم کو اسلام سکھائے۔ حضوؐر نے مصعبؓ بن عمیر کو اس کام پر مقرر فرمایا اور وہ لوگ مدینہ کو واپس گئے۔

دوسری بیعت عقبہ

مصعبؓ نے نہایت شاندار کام کیا۔ وہ گھر گھر جاتے اور لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کرتے۔ انہیں بہت کامیابی ہوئی اور بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ جب اگلے سال حج کا موقعہ آیا تو حضرت مصعبؓ کے ساتھ مدینہ سے بہتر مسلمان حضوؐر کی قدم بوسی کے لیے مکّہ پہنچے۔ انہوں نے اپنا ارادہ پوشیدہ رکھا اور مدینے کے قافلے کے دوسرے لوگ جو مسلمان نہیں تھے، ان کے حال سے بے خبر رہے۔ جب حج ہو چکا اور عکاظ کا میلہ بکھرنے کو تھا تو آدھی رات کو یہ لوگ عقبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضوؐر کے چچا عباس گو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے مگر حضوؐر کے ساتھ آئے اور مدینے کے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا: محمد (ﷺ) ہم میں حفاظت سے رہے ہیں۔ ہم نے ان کو دشمنوں سے بچائے رکھا ہے اور آخر تک ان کی حمایت کرتے رہیں گے لیکن وہ آپ کے ہاں جا کر رہنا چاہتے ہیں۔ کیا تم میں طاقت ہے کہ ان کی حفاظت کرسکو؟ مدینہ والوں میں سے بھی ایک نے اٹھ کر کہا: ہاں بھائیو! اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ حضور ﷺ کا ہمارے ہاں جانا تمام عرب کو جنگ کی دعوت دینے کے برابر ہوگا۔ ایک رئیس نے جواب دیا ہم جانتے ہیں، خوب سمجھتے ہیں، ہم بھی تلواروں کی چھاؤں میں پیدا ہوئے ہیں۔ اپنے خون سے ان کی حفاظت کریں گے۔ اس پر انہوں نے حلف اٹھایا۔ ایک ایک آتا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ پکڑ کر قسم کھاتا تھا کہ حضور ﷺ کی حمایت میں جان و مال قربان کر دوں گا۔ اس

Marfat.com

واقعہ کو بیعت عقبہ (ثانیہ) کہتے ہیں۔ بیعت ہو چکی تو جس طرح جمع ہوئے تھے اسی طرح چپ چاپ رات کی تاریکی میں بکھر گئے اور اپنے اپنے خیموں کو واپس گئے۔

ہجرت مدینہ

حج ہو چکا اور قبائل عرب اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے۔ اس دن کے بعد سرور دو عالم ﷺ نے مکّہ کے مسلمانوں سے فرمایا کہ شہر سے ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ خفیہ طور پر دو دو تین تین کر کے شہر چھوڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ بیسیوں گھرانے مکّہ سے غائب ہو گئے۔ شہر کے محلے کے محلے خالی رہ گئے۔ صرف تین آدمی رسول اللہ ﷺ خود اور آپؐ کے دو صحابی حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیچھے رہ گئے۔

ذرا غور کرو! مکّہ والے تو صرف حضورؐ کے جان لیوا تھے۔ دشمنی تھی تو صرف آپؐ سے کیونکہ آپؐ نے ہی اسلام کی بنیاد رکھی تھی۔ ان کو دوسرے مسلمانوں سے اتنی دشمنی نہ تھی۔ اگر حضور ﷺ کا فیصلہ کر دیتے تو باقی مسلمان خود بخود نابود ہو جاتے۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ ایسے نہیں تھے کہ اپنے آپ کو بچاتے پھریں وہ تو نڈر تھے اور جانتے تھے کہ مکّہ والے لاکھ کوشش کریں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہجرت کی ضرورت ایک تو دوسرے مسلمانوں کے آرام کی خاطر پیدا ہوئی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مکّہ میں تبلیغ کا کام رکا ہوا تھا۔ اس لیے حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ کوئی اور مقام تلاش کیا جائے جہاں بے روک ٹوک اشاعت اسلام ہو سکے۔ حضور ﷺ اپنی قوم کے سچے اور مخلص رہنما تھے۔ آپؐ کو اپنی فکر نہیں تھی۔ حضورؐ کو اس بات کی پروا نہیں تھی کہ دشمن میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اور مجھے کیسے کیسے عذاب ان کے ہاتھوں سے سہنے پڑتے ہیں۔ ان کو فکر صرف اس بات کی تھی کہ میرے پیرو آئے دن کی مصیبتوں سے آزاد ہو جائیں۔ حضور ﷺ کو سب سے پہلے اوروں کے آرام و آسائش کا خیال ہوتا تھا۔ اپنا خیال سب کے بعد ہوتا تھا۔ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی سیرت میں یہ ایک خاص خوبی تھی اور آپؐ کی بزرگی اور بڑائی کا راز یہی تھا کہ آپؐ ہمیشہ دوسروں کے آرام اور حفاظت کی فکر کرتے رہتے تھے۔ اس سے پہلے حضور ﷺ ایک سو صحابہ کو حبشہ روانہ کر چکے تھے اور خود دشمنوں کے درمیان ڈٹے رہے تھے۔ اب پھر

Marfat.com

بیسیوں خاندان مدینہ روانہ کر دیئے اور جب تک سب کے سب مکّہ سے صحیح سلامت نہ نکل گئے، حضور ﷺ نے وہاں سے جنبش نہ کی۔ سرکار دو عالم ﷺ کوئی معمولی فرد نہیں تھے۔ وہ مرد میدان تھے، شیر غزان تھے، کسی دشمن سے ڈرنے والے نہیں تھے، سب دوستوں کو وہاں سے نکال دیا اور خود سب کے مقابلے میں نڈر ہو کر جمع رہے ﷺ۔

اب تو قریش کو بہت فکر ہوئی۔ بہت گھبرائے، دیکھا کہ مسلمانوں کو جائے پناہ مل گئی ہے۔ مدینہ حبش سے دور نہیں، وہاں مسلمان زور پکڑیں گے اور ایک دن ہم کو آ دبائیں گے۔ ان کے لیے تو وقت بڑا نازک آ گیا تھا۔ ضرورت تھی کہ اپنی حفاظت کے لیے جو کچھ ہو سکے فوراً کر لیں۔ چنانچہ دار الندوہ میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ سب رؤسا جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔

قتل کی سازش

ایک نے رائے دی: محمد (ﷺ) کو زنجیروں میں ڈال دو اور قید کر دو۔ دوسرے نے کہا۔ بالکل بے سود۔ ہم نے ان کا تین سال محاصرہ کیے رکھا لیکن ہاتھ کیا آیا۔ بہتر ہے اسے جلا وطن کر دو۔

ابو جہل جو رحمت عالم ﷺ کے خون کا پیاسا تھا کہنے لگا: جلا وطن کرنا تو اور بھی مصیبت لائے گا۔ اگر دیس بدر کرو گے تو وہ اپنے ساتھیوں سے جا ملے گا اور ہماری اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ قتل کر دو۔ ہم ہر ایک کنبے کا ایک ایک جوان لے کر ایک جماعت بناتے ہیں، وہ ٹولی جائے اور سب کے سب اپنی تلواریں ایک ساتھ اس کے جسم میں بھونک دیں۔ قتل کا الزام سب کنبوں پر برابر آئے گا۔ اور بنی ہاشم میں اتنی طاقت نہیں کہ سب کنبوں کا مقابلہ کریں اور انتقام لے سکیں۔

حیدر کرارؓ کا حوصلہ

یہ تجویز سب نے قبول کی، جوان چنے گئے اور جب رات ہوئی تو انہوں نے جا کر حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضور ﷺ کے پاس بہت سے لوگوں نے امانتیں جمع کرائی ہوئی تھیں۔ قریش کو حضورؐ سے سخت عداوت تھی اور آپؐ کی جان کے درپے ہو رہے تھے۔ لیکن آپؐ کی دیانت اور امانت پر اعتماد اس قدر رکھتے تھے کہ روپیہ پیسہ حفاظت کے لیے حضورؐ ہی کے پاس جمع کراتے

Marfat.com

تھے۔ مالکوں کو ان کے مال واپس کرنے تھے اس لیے حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ رات میرے بستر پر کاٹو۔ اور صبح لوگوں کی امانتیں واپس کر دو۔ اس رات اس بستر پر سونا موت سے ہم آغوش ہونے کے برابر تھا۔ لیکن علی حیدرؓ شیر نر تھے۔ اسی لیے ان کو اسد اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور مسلمان تو اپنے ہادی پر جان دیتے تھے اور آپؐ کے لیے اپنا خون گرانا فخر سمجھتے تھے۔ قاتل ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے باہر دروازے پر کھڑے تھے کہ جونہی آپؐ برآمد ہوں، وہ تلواریں جسم میں بھونک دی جائیں۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی حفاظت کا وعدہ کر چکا ہے۔ (آپؐ نے سنگریزوں کی ایک مٹھی ان کی طرف پھینکی)، ان پر کھڑے کھڑے نیند غالب آ گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے درمیان میں سے صحیح سلامت نکل گئے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ ایک آدمی بستر پر سویا پڑا ہے۔ سمجھے کہ حضورؐ ہیں۔ چنانچہ انتظار کرتے رہے کیونکہ عرب میں یہ دستور نہیں تھا کہ کسی کے گھر میں گھس کر اس کو قتل کریں۔ جب دن چڑھا تو معلوم ہوا کہ بستر پر سونے والے حضرت علیؓ تھے اور حضورؐ رات ہی کو نکل گئے تھے۔

ہجرت نبی ﷺ

سرکار دو عالم ﷺ اپنے گھر سے نکل کر سیدھے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ ابو بکرؓ نے دو اونٹ اسی سفر کے لیے پہلے سے خوب کھلا پلا کر تیار کر رکھے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک سے اونٹ آپ لیا۔ آپؐ چونکہ مال مفت لینا پسند نہیں فرماتے تھے اس کی قیمت ادا کی۔ اور دونوں سوار ہو کر مکہ سے نکلے۔ شمال کی جانب مدینہ کی راہ لینے کی بجائے انہوں نے جنوب کے رخ یمن کی راہ لی۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ قریش پیچھا کریں گے اور اگر ہم فوراً مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تو ضرور پکڑے جائیں گے۔ چند میل چل کر ایک غار میں، جس کا نام ثور ہے، پناہ لی، اور تین دن وہیں چھپے رہے۔ شہر کی روز خبریں اور کھانا ہر روز ایک معتبر کے ذریعہ پہنچ جاتا تھا۔ جب قریش کو پتہ لگا کہ رسول اللہ ﷺ بچ کر نکل گئے ہیں تو انہوں نے چاروں طرف مخبر بھیج دیئے۔ جس غار میں حضورؐ چھپے بیٹھے تھے کچھ مخبر اس کے منہ تک بھی پہنچ گئے۔ یہ حال دیکھ کر ابو بکرؓ ڈر گئے۔ اور کہنے لگے: ”ہم صرف دو ہیں۔“

Marfat.com

سرور دو عالم کو ڈر کا ہے کا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بڑھایا اور (قرآنی وحی کی بشارت کو پیش) فرمایا: ''ڈرو نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔'' یہ تھی آپؐ کی قوت ایمان اور یہ تھا کڑا دل اور خدا یقیناً آپؐ کے ساتھ تھا۔ مخبر تھک ہار کر واپس آ گئے اور آپؐ نے مدینہ کی راہ لی۔

مدینہ میں داخلہ

سرکار دو عالم ﷺ کی مکہ سے چلے آنے کی اطلاع مدینہ پہنچ چکی تھی اور لوگ انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ تیرہ دن کی مسافت کے بعد حضور ﷺ مدینے کے قریب ایک قبا نامی گاؤں میں پہنچے اور وہیں اتر پڑے۔ مدینہ والوں نے وہیں آپ کا استقبال کیا۔ لوگ خوش تھے کہ اللہ کے رسول ہمارے درمیان آ کر رہیں گے۔ حضور ﷺ قبا میں چند دن ٹھہرے اور وہاں ایک مسجد بنوائی۔ لمبی مسافت کی تکان ذرا دور ہوئی تو شہر میں داخل ہوئے۔ مدینہ کے مسلمان ہتھیار پہن کر شاہانہ طریق پر حضورؐ کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ شہر میں وہ جوش و خروش تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ مدینے کی عورتوں نے کوٹھوں پر چڑھ کر مسرت و شادمانی کے نغمے بجائے گائے۔

((طلع البدر علینا)) ''چودھویں کا چاند آج طلوع ہوا ہے۔'' سرکار دو عالم ﷺ کی پڑدادی سلمہ خاندان بنی نجار سے تھیں۔ اس قرابت کی وجہ سے اس خاندان نے حضور ﷺ کی خاص طور پر آؤ بھگت کی۔ کنبے کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں قطار باندھ کر کھڑی ہوئیں اور خیر مقدم کا ترانہ گایا۔

''ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں۔ محمد (ﷺ) ہمارے بہت قریبی ہیں اور بہت ہی اچھے قریبی ہیں۔'' رحمت عالم ﷺ کو معصوم بچوں سے بے حد پیار تھا۔ لڑکیوں کو دیکھ کر ان کے پاس گئے اور کہنے لگے کیا تم مجھے چاہتی ہو؟ معصوم بچیوں نے جواب دیا، ہاں، ہم آپ ﷺ کو چاہتی ہیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔

الغرض شاہانہ جاہ و جلال سے خوشی کے نغموں اور تکبیروں کے نعروں کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ شاہ مدینہ بن کر شہر میں داخل ہوئے۔

Marfat.com

سنہ ہجری

اسلام کی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کی مکّہ سے مدینہ کو ہجرت ایک نہایت اہم واقعہ ہے کیونکہ عروج اسلام کا آغاز اسی تاریخ سے ہوتا ہے۔ سنہ ہجری اسی واقعہ سے گنا جاتا ہے جو مسلمان مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ مہاجرون کہلاتے تھے۔ اردو میں ہم ان کو مہاجرین کہتے ہیں۔ مدینہ کے مسلمان جنہوں نے ان کو اپنے ہاں پناہ دی، انصار یعنی مدد کرنے والے کہلائے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۔ ہجرت کا واقعہ نبوت کے تیرہویں سال میں ہوا اور مدینہ کا داخلہ ستمبر ۶۲۲ء کو ہوا۔ حضرت علیؓ بھی مکّہ سے چھپ چھپا کر نکل آئے اور حضور ﷺ کی قبا میں تشریف آوری کے چند دن بعد وہیں آپؐ سے آملے۔

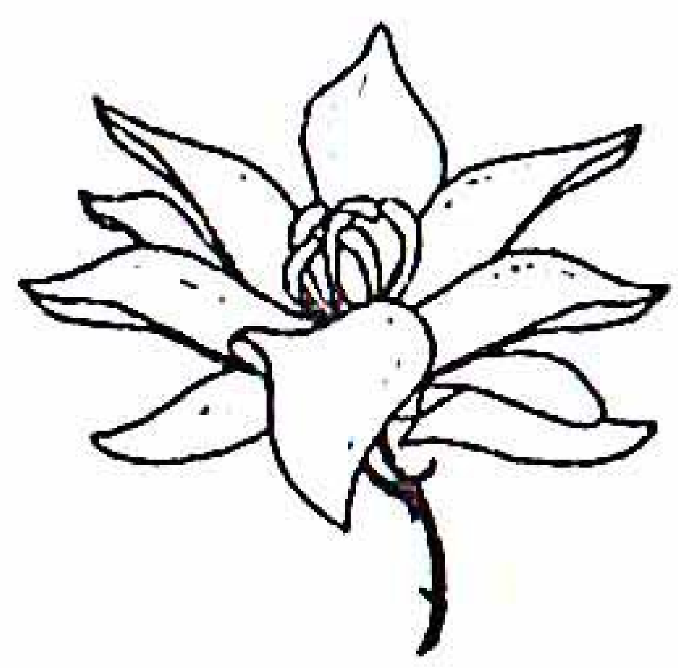

Marfat.com

گیارھواں باب

مدینہ منورہ

مدینہ میں عرب بھی آباد تھے اور یہود بھی۔ یہود کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ عربوں کے دو بڑے قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ ان میں آپس میں دیرینہ دشمنی تھی۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے چھ سال پہلے ان دونوں قبائل کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی تھی۔ جس میں فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے تھے۔ گو جنگ کی آگ دب گئی اور امن قائم ہو گیا لیکن آپس کا عناد باقی تھا۔ اور ہر وقت یہی ڈر رہتا تھا کہ لڑائی اب بھی پھوٹی اور اب بھی پھوٹی۔ پچھلی جنگ نے دونوں فریقین کو کمزور کر دیا اور دونوں امن کے خواہاں تھے۔ لیکن شہر میں حکومت نہ تھی، کوئی حاکم نہ تھا جو امن قائم رکھے۔ اس لیے ان کا منشا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا بادشاہ بنالیں۔ سب کی نظر انتخاب عبداللہ بن ابی پر پڑتی تھی، جو خزرج کا ایک رئیس تھا۔ عبداللہ پرلے درجے کا بزدل تھا اور جیسا کہ بزدلوں کا دستور ہوا کرتا ہے، بڑا منافق اور کذاب تھا۔ منافق کے لیے ضروری ہے کہ زبان کا بڑا میٹھا ہو اور اچھی اچھی تقریریں کرے۔ عبداللہ چرب زبانی اور فریب وفن کی تقریروں میں طاق تھا۔ لوگ اس کی چرب زبانی سے دھوکے میں آ گئے اور سمجھنے لگے کہ عبداللہ واقعی بڑا نیک آدمی ہے دونوں فریق اس کی عزت کرتے تھے۔ مدینہ میں اس کا اثر ورسوخ بہت تھا اور روایت ہے کہ مدینہ والوں نے اس کے لیے سونے کا تاج بھی تیار کروایا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے عبداللہ بادشاہ بنے اور سونے کا تاج پہنے۔ آفتابِ صداقت محمد ﷺ مدینہ کے افق پر طلوع ہو چکا تھا۔ جب صبح کے وقت مشرق سے سورج بلند ہوتا ہے تو چاند کی روشنی مدھم ہو جایا کرتی ہے اور تارے پھیکے پڑ جایا کرتے ہیں۔ یہی حال مدینہ میں ہوا۔ آفتاب صداقت ﷺ کی تابانی کے سامنے عبداللہ بن ابی کی ننھی سی روشنی ماند پڑ گئی اور اس کی رونق کا چراغ گل ہو گیا۔

Marfat.com

شاہ مدینہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے رئیس تھے۔ مدینہ جلد جلد اسلام میں داخل ہوتا جاتا تھا۔ اب شہر میں ایک حکمران کی ضرورت تھی، جو اس کے بسنے والوں میں امن قائم رکھ سکے۔ اس لیے جس گھڑی سرورِ دو عالم ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے، اسی گھڑی سے اس کے حکمران قرار پائے۔ عبداللہ بھی بادشاہ بننا چاہتا تھا، مگر اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ غصے کی آگ میں جل بھن گیا۔ مگر تھا بزدل اتنی ہمت نہیں تھی کہ بادشاہی کے لیے کھلم کھلا جنگ کرے۔ اس لیے اس نے منافقت سے کام لینا شروع کیا۔ ظاہر میں حضور ﷺ کا دوست بن گیا لیکن پوشیدہ طور پر نہایت خطرناک دشمن تھا۔ اور جب تک زندہ رہا اسلام کے لیے ایک خطرہ بنا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کے اثر اور برکت سے اوس اور خزرج کی قدیمی عداوت مٹ گئی اور وہ باہم مل کر ایک قوم بن گئے۔

مدینہ کے یہودی

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مدینہ میں عربوں کے علاوہ یہودی بھی تھے۔ ان کے تین قبیلے تھے۔ بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ ان میں کچھ دستکار تھے۔ کچھ زرگری کا پیشہ کرتے تھے۔ کچھ سوداگر تھے۔ بعض زراعت کرتے تھے اور کھجوروں کے باغوں کے مالک تھے۔ سود پر روپیہ چڑھا کر بہت دولت مند ہو گئے تھے۔ مدینہ کے حاکم پہلے وہی ہوا کرتے تھے لیکن عربوں نے ان کی حکومت کا تختہ پلٹ دیا تھا۔ اس لیے یہود میں اور عربوں میں دیرینہ عناد تھا۔ کچھ دن تو یہود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوست بنے رہے لیکن بعد میں دشمن بن گئے۔ ان کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

مسجد نبوی

مدینہ پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے پہلا کام تعمیر مسجد کے لیے زمین خریدنا تھا۔ حضور ﷺ نے ایک ٹکڑا پسند فرمایا جو دو یتیم بچوں کی ملکیت تھا، وہ اسے مفت دینا چاہتے تھے لیکن رحمت عالم ﷺ یتیم بچوں کا مال مفت لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے قیمت ادا کر دی۔ شہنشاہ دو جہان تعمیر میں خود شریک ہوئے اور جیسا کہ حضورؐ کا ہمیشہ دستور رہا دوسروں کے دوش بدوش کام کیا۔ مرد تھے۔ اور

Marfat.com

مردانہ کاموں میں بہت چست اور باہمت تھے۔ اور آپ ﷺ کو اس بات پر فخر تھا، چونکہ حضور ﷺ مسلمانوں کے آقا، معلم اور حکمران تھے، انہیں پسند نہ آتا تھا کہ شاہِ مدینہ بھی عام مزدوروں کی طرح محنت اور مشقت اٹھائیں۔ لیکن اوروں کو کام کرتے دیکھیں اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، اس بلند ہمت مرد سے یہ کیسے ہوسکتا تھا۔ چنانچہ سب کے ساتھ مل کر کام کیا اور نہ صرف زبان سے بلکہ ہاتھوں سے کر کے دکھا دیا کہ انسان کی شرافت اور بزرگی کام اور اس محنت مشقت سے ہے، جو دیانت داری سے کیا جائے۔ خواہ کام کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو اور جس قدر زیادہ کوئی کام کرتا ہے اسی قدر وہ معزز اور محترم بنتا ہے۔

اصحاب صُفّہ

مسجد کی تعمیر تھوڑے عرصے میں مکمل ہوگئی۔ دیواریں گارے اور کچی اینٹوں کی تھیں اور چھت کھجوروں کے پتوں کی۔ عمارت بہت سادہ تھی کیونکہ حضور ﷺ سادگی پسند فرماتے تھے۔ شاہ مدینہؐ کے لیے جو محل بنا وہ مسجد کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حجرے (اور چھپر) تھے۔ وہاں بھی وہی سادگی کا عالم تھا۔ مسجد کے ایک طرف مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا گیا اور اس پر چھپر ڈال دیا گیا۔ غریب مسلمان مہاجرین کا کوئی گھر نہیں تھا سب اس چھپر میں رہتے تھے۔ ان کو اصحاب صُفّہ کہتے تھے۔ ان کی تعداد بعض اوقات بہت بڑھ جاتی تھی کیونکہ ملک کے دور دور کے علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے یہاں آتے رہتے تھے اور حضور ﷺ کو ان کے کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے میں بہت دقت اٹھانی پڑتی تھی۔ جب ان میں سے کوئی شادی کر لیتا تھا تو اسے صُفّہ کی رہائش چھوڑ کر اپنے لیے الگ مکان بنانا پڑتا تھا۔ اصحاب صُفّہ کو حضور ﷺ خاص توجہ دیتے تھے کیونکہ یہ لوگ ہر وقت مسجد میں رہتے تھے۔ جب تعلیم سے فارغ ہو چکتے تھے تو ان کو دور دور کے قبائل میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

مہاجرین اور انصار کی برادری

اکثر مہاجرین اپنے مال اسباب مکّہ میں چھوڑ آئے تھے یہی غنیمت تھا کہ جان سلامت لے کر نکل آئے۔ بیچارے بہت تنگ تھے اور ان کے نان ونفقہ کا کچھ انتظام کرنا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار یعنی مدینہ کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ ہر ایک انصاری ایک ایک مہاجر کو اپنے گھر لے جائے اور اسے اپنا بھائی بنا لے۔ اس بھائی چارے کا مقصد یہ تھا کہ انصار اپنا مال و اسباب وغیرہ

Marfat.com

سب کچھ اپنے اور مہاجرین کے درمیان برابر تقسیم کرلیں۔ یہ بہت بڑی قربانی تھی۔ اس زمانے میں جب کہ لوگوں کو اپنے علم اور تہذیب پر بہت ناز ہے، کوئی شخص اس قربانی کے لیے تیار نہ ہو۔ لیکن انصار نے خوشی خوشی اس کو منظور کرلیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے مال، مکان، زمین، باغات، وغیرہ وغیرہ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ خود رکھ لیا اور دوسرا آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔ یہ انہی کا دل گردہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اسلام کے ساتھ کس قدر محبت تھی اور کس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کے لیے تیار رہتے تھے لیکن یہ انتظام عارضی تھا۔ جب اور زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں تو نئی زمینیں مہاجرین میں تقسیم کر دی گئیں اور انصار کی زمینیں ان کو واپس دے دی گئیں۔

علاوہ ازیں مکہ کے مہاجرین نسلوں سے تجارت پیشہ تھے۔ انہوں نے چھوٹی چھوٹی دکانیں کھول لیں اور ان میں سے بعض چند سالوں میں دولت مند سوداگر بن گئے۔

مدینہ کی زندگی کے پہلے چند مہینے بہت تکلیف کے گذرے۔ مدینہ کی آب و ہوا مکہ والوں کے ناموافق تھی اور ان میں سے کئی بخار سے بیمار پڑ گئے۔ افلاس اور ناداری کا عذاب الگ تھا، لیکن سب سے زیادہ تکلیف سرور دو عالم ﷺ نے خود اٹھائی۔ خیرات آپؐ قبول نہیں کرتے تھے اور اپنا روپیہ کھلے دل سے دوسروں کی امداد میں صرف کرتے تھے۔ سچے اور باوقار رہنما کی طرح حضورؐ کو پہلے اوروں کی فکر ہوتی تھی اور سب سے آخر میں اپنی۔ بعض اوقات دو دو دن تک حضورؐ فاقے سے رہے اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ بھوک سے بے تاب ہو رہے ہوتے تھے لیکن خودداری مانع تھی کہ کسی سے اس کا ذکر تک کریں۔

مدینہ پہنچ کر اسلام نے بہت جلد ترقی کی۔ گو عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق دوستوں اور یہودیوں جیسے دشمن بھی موجود تھے لیکن تبلیغ و اشاعت کی آزادی تھی اور جلسے اور نمازیں مسجد میں بلا روک ٹوک ہوتی تھیں۔ چھپ چھپ کے نمازیں پڑھنے کی ضرورت اب نہیں رہی تھی۔ مسلمان ہر روز مسجد میں جمع ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ تعلیم دیتے اور لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کرتے جو لوگ پہلے آپؐ کے پاس آتے ہوئے ڈرتے تھے اب آزادی سے آنے اور اسلام قبول کرنے لگے اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی لیکن قریش کی طرف سے اندیشہ ابھی لگا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

بارھواں باب

غزوۂ بدر

قریش کا اندیشہ

قریش کو ڈر تھا کہ اگر حضور سرور کائنات ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو اسلام وہاں بہت قوت پکڑ جائے گا اوران کا اپنا زور ٹوٹ جائے گا۔ مدینہ شام کے راستے میں پڑتا تھا اور مسلمانوں کے لیے آسان تھا کہ مدینہ سے اٹھ کر راستہ روک لیں اور ملک شام کے ساتھ مکہ والوں کی تجارت بند کردیں۔ شام کی تجارت قریش کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھی۔ اگر یہ تجارت بند ہو جائے تو قریش تباہ ہو جائیں یہی وجہ تھی کہ وہ حضورؐ کو قتل کر دینا چاہتے تھے اور جب سرکار دوعالم ﷺ بچ کر نکل گئے تو انہوں نے ان کے قتل کے لیے انعام مقرر کیا۔ اعلان کیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کا (نعوذ باللہ) سر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ حضور ﷺ کو یہ سب حالات معلوم تھے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ سو اونٹ کے لالچ میں بہت لوگ ایسے ہوں گے جو آپؐ کے قتل کے خواہاں ہوں۔ اس لیے جب آپؐ رات کو سوتے تو مسلح پہرہ حضور ﷺ کے گھر کی حفاظت کرتا۔

قریش کی سازش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ میں تشریف آوری کے بعد قریش کے رؤسا نے عبداللہ بن ابی کو لکھا کہ محمد ﷺ کو تم نے اپنے ہاں پناہ دی ہے یا تو اس کو قتل کردو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کریں گے۔ تمہارے مردوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو اٹھا لائیں گے۔ عرب کے سب قبیلے قریش کے زیر اثر تھے۔ قریش نے سب کو اور خاص کر ان قبائل کو جو مکہ اور مدینہ کے درمیانی علاقہ میں رہتے تھے مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا۔ دور کے قبائل کے بعض لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان مخالف

Marfat.com

قبائل کے ڈر سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ان حالات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان جنگ کی صورت موجود تھی اور ڈر تھا کہ مکّہ والے اور ان کے حلیف قبائل کسی دن اچانک مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔

معاہدہ

رسول اللہ ﷺ مدینہ کے حکمران تھے اور حضور ﷺ کا فرض تھا کہ شہر کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کا انتظام کرتے۔اس غرض سے حضور ﷺ نے سب سے پہلے انصار، مہاجرین اور یہود کو اکٹھا کیا اور ایک معاہدہ کیا گیا جس میں ذیل کی شرائط تھیں:

۱۔ یہود کو آزادی ہوگی کہ اپنے مذہب پر رہیں۔

۲۔ یہودی اور مسلمان آپس میں دوستانہ تعلق رکھیں گے۔

۳۔ لڑائی چھڑ جائے تو مدینہ کے یہودی مسلمان اور غیر مسلم عرب ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔

۴۔ ان میں سے کوئی قریش کو پناہ نہیں دے گا۔

۵۔ اگر مدینہ پر حملہ ہو تو سب مل کر اس کی مدافعت کریں گے اور

۶۔ ہر ایک امر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں گے۔

(اس معاہدے کی ۵۴ دفعات کو میثاقِ مدینہ کہتے ہیں اور یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے، جسے خود حضورؐ نے لکھوایا)

دو فیصلے

رسول اللہ ﷺ نے دو فیصلے اور کیے، ایک فیصلہ تو یہ کہ قریش کو امن پر مجبور کرنے کے لیے ان کی تجارت بند کر دی جائے، دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ جو قبائل مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے ہیں ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کر لیے جائیں۔چنانچہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ آدمیوں کے دستے ان قبائل کے پاس بھیجے گئے اور ان کے ساتھ عہد نامے کر لیے گئے۔ان میں سے بعض صرف اس بات پر رضامند ہوے کہ غیر جانبدار رہیں گے اور نہ قریش کا ساتھ دیں گے اور نہ مسلمانوں کا۔بعض نے یہ اقرار کیا کہ

Marfat.com

اگران پر کوئی دشمن حملہ کرے تو مسلمان ان کی حمائت کو جائیں گے اور اگر حملہ مسلمانوں پر ہو، تو وہ ان کی مدد کو آئیں گے۔ سنہ ہجری کا پہلا سال اسی قسم کے عہد نامے کرتے گذر گیا۔ نہ خون کا کوئی قطرہ گرا اور نہ کسی کا ایک دمڑی کا نقصان ہوا۔

قریش کا پہلا حملہ

سنہ ہجری کے دوسرے سال کے شروع میں قریش نے پہلا حملہ کیا۔ انہوں نے مدینہ کی چراگاہوں پر چھاپہ مارا اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چوری کر کے لے گئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گئے۔ اس تھوڑے عرصہ بعد شاہ دو جہاںؐ دوسو جانبازوں کا ایک دستہ لے کر ینبوع کی طرف تشریف لے گئے۔ ینبوع بحیرہ قلزم کے ساحل پر ایک بندرگاہ ہے اور مدینہ کو جانے والے اسی بندرگاہ پر اترتے ہیں۔ وہاں کے قبائل کے ساتھ بھی دشمنوں کے خلاف باہمی امداد کا عہد نامہ کیا گیا۔ یہ عہد نامہ قریش کی تجارت کے لیے خطرناک تھا کیونکہ شام کا راستہ ان قبائل کے علاقے میں سے ہی گذرتا تھا۔ (غزوہ ذی العشیرہ کا یہ واقعہ دسمبر ۶۲۲ء میں پیش آیا۔)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب واپس مدینے پہنچے تو حضورؐ نے آٹھ یا بارہ آدمیوں کا ایک مختصر سا دستہ (جسے سریۂ نخلہ کہتے ہیں) مکّہ کی طرف بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کا پتہ لگائیں۔ مکّہ سے ایک دن کی راہ پر قریش کی ایک جماعت سے ان کا مقابلہ ہو گیا مسلمانوں نے ایک کا کام تمام کیا، دو کو گرفتار کیا اور ان کے اونٹ جو مال تجارت سے لدے ہوئے تھے پکڑ کر مدینہ کی راہ لی۔ قیدیوں کے رشتہ دار ان کو چھڑانے کے لیے مدینہ پہنچے۔ ان کا فدیہ ادا کیا اور قیدی رہا کر دیئے گئے لیکن ان میں سے ایک نے جانے سے انکار کر دیا وہ مسلمان ہو گیا اور وہیں مدینہ میں رہ پڑا۔ اس قسم کے واقعات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ بے حد شفیق تھے بات کرتے تھے تو سننے والا گرویدہ ہو جاتا تھا اور حسن سلوک کی یہ حالت تھی کہ جو دشمن بن کر آتے تھے وہ دوست اور فدائی ہو کر رہ جاتے تھے۔

قریش کا دوسرا حملہ

اس واقعہ کے چند ہفتے بعد مدینہ میں خبر پہنچی کہ ایک ہزار کا جرار لشکر مکّہ سے آرہا ہے۔ قریش

Marfat.com

کا ایک قافلہ لاکھوں کا مال لیے شام سے آرہا تھا۔ان کو ڈر تھا کہ مسلمان قافلے پر حملہ کر کے مال چھین لیں گے اور لشکر اس قافلے کی حفاظت کے لیے آرہا تھا۔حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشورے کے لیے طلب کیا اور پوچھا کہ کیا تم لڑائی کے لیے تیار ہو۔بعض ڈر گئے ۔کہنے لگے: قریش بہت ہیں اور ہم تھوڑے۔ان کے ساتھ جنگ کرنا گویا موت کے منہ میں جانا ہے۔لیکن دوسرے اسلام کے لیے جانیں فدا کرنے اور دشمن خواہ کیسا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

معاہدے کے رو سے انصار جب ہی لڑنے پر مجبور تھے جب خود مدینہ پر حملہ ہو۔کیا اب وہ مدینہ سے باہر جا کر لڑیں گے؟ حضور ﷺ نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔انصار کا ایک رئیس فوراً بول اٹھا۔کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ حضور ﷺ اگر حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔حضورؐ حکم دیں، ہم تیار ہیں۔

چنانچہ اس پر فیصلہ ہو گیا اور حکم صادر ہو گیا کہ سب مسلمان جو ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔مدینہ میں جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ خورد سال لڑکے بھی تلواریں لیے نکل آئے۔ انہیں واپس کرنا پڑا۔وہ روتے تھے، مچلتے تھے، کہتے تھے کہ ہم بھی اسلام کے لیے دو دو ہاتھ دکھانا چاہتے ہیں۔لیکن کم سن تھے، میدان جنگ کو کیسے جا سکتے تھے۔ڈر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی غیر حاضری میں یہودی اور منافق مدینہ میں کوئی طوفان نہ اٹھائیں، اس کی روک تھام کے لیے حضورؐ نے ایک نائب حضرت ابو لبابہؓ بن عبد المنذر کو مدینہ پر اور ایک قبا پر مقرر فرما دیا۔

ان انتظاموں سے فارغ ہو کر ۳۱۳ آدمیوں کے ہمراہ مکہ کی طرف کوچ کیا۔ان میں اسی مہاجر اور باقی انصار تھے۔فوج مختصر لیکن جانوں پر کھیل جانے والی تھی۔سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔انہی پر باری باری سواری کر لیتے تھے۔

اس کے خلاف قریش کی فوج بڑے طمطراق اور شان و شوکت سے آئی۔ان کو یقین تھا کہ فتح ہماری ہو گی۔پڑاؤ کرتے تھے تو دس دس اونٹ فوج کی خوراک کے لیے ذبح کرتے تھے۔شرابیں پیتے، گاتے بجاتے اور خوب عیش کرتے تھے۔شام سے جو قافلہ آرہا تھا اس کا سالار ابوسفیان تھا۔قریش کی فوج نے مکہ سے ابھی چند دن کی مسافت ہی طے کی تھی کہ ابوسفیان کی طرف سے اطلاع پہنچی کہ قافلہ صحیح

Marfat.com

سلامت نکل گیا ہے اس لیے فوج واپس چلی آئے۔ ان میں سے بہت لوگ چاہتے تھے کہ واپس چلے جائیں لیکن ابوجہل جو رحمت عالم ﷺ کے خون کا پیاسا تھا، نہ مانتا تھا۔ اس نے فوج کو لڑائی پر اکسانے کے لیے وہ تقریریں کیں کہ آگ برساتی تھیں۔ ایک ایک لفظ سے انگارے ٹپکتے تھے۔ کسی کو بزدل کہہ کر غیرت دلائی اور کسی کو عزت کا واسطہ دیا۔ کہنے لگا: ہم بدر تک جائیں گے، اگر مسلمان وہاں مل گے ءتو ان سے لڑائی کریں گے اور ان کے پیغمبر کو قتل کر دیں گے، اگر نہ ملے تو وہاں تین دن ٹھہریں گے، کھائیں پئیں گے اور جشن منائیں گے۔ اس کے بعد واپس چلے آئیں گے۔ تمام عرب میں ہمارے نام کی دھاک بندھ جائے گی۔

پھر بھی کچھ لوگ واپس چلے گئے اور ۹۶۰ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں ایک سو زرہ پوش سوار تھے۔

بدر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو مدینہ سے ۷۰ میل جنوب مغرب کو اس سڑک پر واقع ہے جو مکہ سے شام کو جاتی ہے مدینہ سے روانہ ہو کر چار پانچ دن میں رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچ گئے۔ مکہ والے بھی ساتھ ہی پہنچ گئے۔ اور اگلے دن ۱۶ مارچ ۶۲۴ء کو وہ لڑائی ہوئی جو معرکۂ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لڑائی نہ صرف اسلام بلکہ ساری دنیا کی تاریخ میں نتائج کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اس دن حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا اور دنیا میں ایک نئی تہذیب کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔

لڑائی

رسول اللہ ﷺ نے اب لڑائی کی صف آراستہ کی۔ سب سے پہلے مکہ کے تین سورما بہادر میدان میں نکلے۔ ادھر سے حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ ان کے مقابلہ کو بڑھے۔ حمزہؓ اور علیؓ نے اپنے حریفوں کو قتل کیا، عبیدہؓ زخمی ہوئے لیکن ان کا حریف بھی حمزہؓ اور علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ پھر لڑائی عام ہو گئی۔ فریقین نے جی کھول کر دادِ شجاعت دی۔ بڑے بڑے کارہائے نمایاں ہوئے، لیکن دن ابھی آدھا نہ گذرا تھا کہ مکہ والوں نے شکست کھائی اور تین سو تیرہ مسلمانوں ایک چھوٹے سے دستے نے نو سو ساٹھ کافروں کے پرخچے اڑا دیئے۔ قریش کے ستر آدمی قتل اور اتنے ہی گرفتار ہوئے اور مسلمان صرف چودہ شہید ہوئے۔ قریش میں جو بچ رہے تھے پاؤں سر پر رکھ کر بھاگے اور ان کا تمام مال واسباب اور خیمے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ابوجہل اور مکہ کے دوسرے سردار جو اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے، دوزخ کو

Marfat.com

سدھارے۔

فتح کا سبب

یہ فتح نہایت عظیم الشان تھی۔ ۳۱۳ آدمیوں کا ۹۶۰ آدمیوں کو فنا کر دینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ جانتے ہو اس فتح کا راز کیا تھا؟ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمان سچائی کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے سینہ توڑ کر لڑے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے جرنیل رسول اللہ ﷺ کی پوری اطاعت کرتے تھے۔ اطاعت میں تلواروں سے منہ نہیں پھیرتے تھے۔ دونوں فریق ایک ہی قوم سے تھے فرق صرف یہ تھا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں تربیت پا چکے تھے اور وہ چیز جس کو ڈسپلن کہتے ہیں، سیکھ چکے تھے۔ ان کے مخالف کافر تھے اور تربیت سے بے بہرہ، وہ اطاعت کرنا اور حکم ماننا نہیں جانتے تھے۔

اس فتح کا ملک پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش تھے۔ ان کا بھرم کھل گیا اور زور ٹوٹ گیا، اور عرب کے قبائل جناب سرور دو عالم ﷺ کو بہت بڑا جرنیل اور ایک طاقتور حکمران ماننے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح کے بعد مسلمان شہیدوں اور کافر مقتولوں کے دفن کا انتظام فرمایا اور مدینہ کو واپس پھرے۔ عرب کے لوگ اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے لیکن مسلمان ان کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آئے۔ ان کی سب طرح خاطر مدارت کی۔ اور رسول اللہؐ نے اجازت دے دی کہ زر فدیہ دے کر آزاد ہو جائیں جو دولت مند تھے انہوں نے فدیہ ادا کیا اور آزاد ہو کر گھر چلے گئے، جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، یہی ان کا فدیہ سمجھا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم کا کس قدر خیال تھا۔ قیدیوں میں جو غریب تھے اور لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے ان کو احسان کر طور پر چھوڑ دیا۔

قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی تھے جن کے گھر میں نبی ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں۔ مسلمانوں کو گوارا نہ تھا کہ اپنے ہادی و مولا ﷺ کے داماد سے فدیہ لیں۔ اس لیے ان کو یونہی چھوڑ دیا گیا۔ حضرت زینبؓ ابھی تک مکہ میں تھیں۔ خاوند کو ان سے محبت تھی اور ہجرت کرنے کی

Marfat.com

اجازت نہ دی تھی۔اب اس احسان کے بدلے میں انہوں نے حضرت زینب ؓ کو مدینہ بھیجا تاکہ باپ ؐ سے مل آئیں۔اس کے کچھ عرصہ بعد وہ خود بھی مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں ہی رہ گئے۔

حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ ؓ کی شادی حضرت عثمان ؓ سے ہوئی تھی۔وہ بیمار ہوئیں۔اتنے میں بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔حضور ﷺ اس طرف روانہ ہوئے۔ادھر بدر کی زمین قریش کے خون سے لال ہو رہی تھی ادھر حضرت رقیہ ؓ نے انتقال کیا۔اس پر حضورؐ کی تیسری صاحب زادی حضرت ام کلثوم ؓ کی شادی حضرت عثمان ؓ سے کر دی گئی۔

معرکۂ بدر کے چند ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحب زادی حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہو گئی۔حضرت خاتون جنت ؓ میں بے انتہا خوبیاں تھیں۔صبر و رضا، قناعت و ہمدردی کا مجسمہ تھیں۔مسلمان عورتوں کے لیے بہترین نمونہ تھیں۔ان کے ہاں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کون ہے جو ان کے نام سے واقف نہیں؟ جو لوگ سید کہلاتے ہیں وہ ان ہی کی اولاد سے ہیں۔

یہودیوں کی شرارتیں

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ میں یہودی بھی آباد تھے۔ان کے اور عربوں کے درمیان دیرینہ عداوت تھی۔جب تک اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن رہے یہودی ان دونوں پر غالب رہتے تھے۔ان میں سے کئی ان کے مقروض تھے۔یہودی پڑھے لکھے اور ہوشیار تھے اور عرب جاہل اور سادہ لوح۔ان کا منشا تھا کہ اوس اور خزرج میں ہمیشہ ٹھنی رہے، تاکہ ہمارا اثر قائم رہے لیکن جب اسلام آیا تو اس کے طفیل اوس اور خزرج بھائی بھائی بن گئے اور اتفاق سے طاقتور ہو گئے۔یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا اور وہ غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے۔ادھر مکہ والے بھی انتقام کے لیے دانت پیس رہے تھے۔انہوں نے یہودیوں کو ساتھ ملا لیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دو۔غرض یہ کہ یہودی حضور سرور کائنات ﷺ کے دشمن بن گئے۔گالیاں دیتے تھے۔لفظ بگاڑ بگاڑ کر بولتے تھے۔قرآن شریف پر ہنسی اڑاتے تھے۔مسلمان عورتوں پر بہتان باندھتے اور تہمتیں تراشتے تھے۔شہر میں طرح طرح کی

Marfat.com

شرارتیں کرتے اور کوشش کرتے رہتے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کی آپس میں سر پھٹول ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ انہوں نے کر رکھا تھا اس کی رو سے ان کا فرض تھا کہ قریش مکہ کو اپنا دشمن جانیں اور مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ اس کے الٹ انہوں نے قریش کے ساتھ خفیہ ساز باز کی اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے موقعے تلاش کرنے لگے۔

بنی قینقاع کی جلاوطنی

یہودیوں کے جس قبیلے نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا اعلان کیا وہ بنی قینقاع تھے۔ ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کو سر بازار بے عزت کر دیا اور اس کی پاداش میں ایک غیرت مند مسلمان کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ مسلمان کو ایک اور یہودی نے شہید کر ڈالا اور لڑائی چھڑ گئی۔ عرب میں لڑائیاں اسی طرح شروع ہوا کرتی تھیں۔ رحمت عالم ﷺ نے امن قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن یہودی بپھرے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کی شان مبارک میں بھی گستاخی کی اور لڑائی کی دعوت دی۔ مسلمان بھلا کسی سے کب دبنے والے تھے۔ فوراً ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا اور پندرہ دن کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور رضا مند ہو گئے کہ جو سزا رسول اللہ ﷺ ان کے لیے تجویز کریں ان کو منظور ہو گی۔ منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ان کا دوست تھا۔ اس نے درخواست کی کہ بنی قینقاع کو جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کو حکم دیا گیا کہ دیس بدر ہو جائیں اور شام کی طرف نکل جائیں۔ یہ واقعہ بدر کی لڑائی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ہوا۔

Marfat.com

تیرھواں باب

غزوۂ احد

قریش کا تیسرا حملہ

اب ہم قریش کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بدر کی لڑائی میں ان کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے۔ گھر گھر ماتم پڑا ہوا تھا اور مکّہ کا بچہ بچہ انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ مکّہ کا سب سے بڑا رئیس ابوسفیان تھا۔ بدر کے تھوڑے ہی دن بعد اس نے مدینہ پر چھاپہ مارا اور شہر سے تین میل باہر گاؤں میں چند مکانوں اور گھاس کے ڈھیروں کو آگ لگا کر چلا گیا۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ نکلا۔

قریش کا چوتھا حملہ

انتقام کے لیے اب مکّہ میں بہت تیاریاں ہونے لگیں۔ دوسرے قبائل مدد کے لیے بلائے گئے اور روپیہ بے دریغ خرچ کیا گیا۔ پورا ایک سال ان تیاریوں میں صرف ہوا۔ اور مارچ ۶۲۵ء میں ابوسفیان تین ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہوا۔ ان میں دو سو زرہ پوش سوار خالد بن ولید جیسے کوہ شکن جرنیل کی کمان میں تھے۔ پیادہ فوج میں بھی سات سو زرہ پوش بہادر تھے۔ قریش کے اعلیٰ خاندانوں کی پندرہ خواتین بھی فوج کے ساتھ تھیں۔ تاکہ گیتوں سے فوج کے دل بڑھائیں۔ اور مردوں کو غیرت اور جوش دلائیں۔ قریش کی فوج نے مدینہ سے تھوڑا ہی پرے احد کی پہاڑی کے دامن میں جو میدان ہے وہاں قیام کیا۔

جمعرات کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی اور معلوم ہوا کہ فوج کی تعداد تین ہزار ہے۔ فوراً شہر کے دروازوں پر بھاری دستے بٹھا دیئے گئے۔ اور مسلح سپاہی رات کو آنحضرت ﷺ کے گھر پر پہرہ دیتے رہے۔ جمعہ کی صبح حضور ﷺ نے مسلمانوں کو مشورہ کے لیے اکٹھا

Marfat.com

کیا۔حضور ﷺ کی اپنی رائے تھی کہ شہر کے اندر بیٹھ کر مقابلہ کریں۔لیکن کثرت رائے نے یہ فیصلہ کیا کہ شہر سے نکل کر کھلے میدان میں لڑائی ہو۔چنانچہ دوپہر کے بعد نماز جمعہ سے فارغ ہو کر لشکر اسلام احد کی جانب روانہ ہو گیا۔

یہود اور عبداللہ بن ابی کی غداری

معاہدہ کے مطابق یہودیوں کا بھی فرض تھا کہ شہر کی حفاظت میں شریک ہوں۔لیکن انہوں نے عین وقت پر انکار کر دیا۔رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے ساتھ گیا۔ہفتہ کی صبح کو احد کو پشت میں رکھ کر جنگ کے لیے صف آراستہ کی گئی۔یکا یک بزدل غدار عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان سے نکل گیا۔اور شہر کو واپس چلا گیا۔اسلامی لشکر اب صرف سات سو رہ گیا۔جن میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔حضورؐ بہت دور اندیش جرنیل تھے۔آپؐ کو خیال آیا ممکن ہے کہ جس وقت ہم سامنے سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہوں،ان کا کوئی دستہ پیچھے سے ہم پر حملہ کر دے۔اس خطرے کو روکنے کے لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ حضور ﷺ نے ایک موزوں مقام پر بٹھا دیا اور سخت تاکید کی کہ خواہ کچھ ہی ہو جائے اور مسلمانوں کو فتح بھی نصیب ہو جس وقت تک حضور ﷺ خود ان کو حکم نہ دیں وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں اور وہیں جمے رہیں۔

جیسا کہ دستور تھا۔لڑائی ایک ایک دو دو کے مقابلے سے شروع ہوئی۔ایک قریشی بہادر نے آگے بڑھ کر للکارا کہ میرے مقابلے کو کوئی مرد ہو تو نکلے۔حضرت علیؓ شیر نر کی طرح جھپٹے اور ایک ہاتھ سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ایک اور قریشی آگے بڑھا تو حضرت حمزہؓ نے نعرہ مارا۔''میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔'' اور ساتھ ہی ایک ہاتھ سے اس کو کاٹ گرایا۔پھر لڑائی عام ہو گئی۔لیکن پلہ برابر نہ تھا۔ایک طرف تین ہزار اور دوسری طرف صرف سات سو آدمی تھے،لیکن وہ بھی شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔بہت دیر نہیں ہوئی تھی کہ کفر کا غبار چھٹ گیا۔دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگنے لگے۔مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انہوں نے دشمن کا ڈیرہ لوٹنا شروع کر دیا۔

عین اس گھڑی ایک ایسی مہلک غلطی ہوئی کہ فتح شکست میں بدل گئی۔وہ پچاس تیر انداز جن

Marfat.com

کو حکم تھا کہ کسی حالت میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ اپنی فوج کو فاتح دیکھ کر وہاں سے ہٹ آئے اور غنیمت کا مال لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ خالد دور سے کھڑا اسی مقام کو تاک رہا تھا۔ جونہی اس نے اسے خالی دیکھا، بجلی کی طرح جھپٹا اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ قریش کی پیادہ فوج بھی الٹ پڑی اور مسلمان ہر طرف سے نرغے میں آ گئے۔ بہت خون ریز لڑائی ہوئی، کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ مگر فوج دل توڑ کر لڑتی رہی۔ اتنے میں شور اٹھا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ شہید ہو گئے۔ بات غلط تھی لیکن اس سے بہت سے مسلمان حوصلہ ہار بیٹھے۔ لیکن دس پندرہ منٹ میں ہی پتہ لگ گیا کہ یہ خبر غلط تھی اور حضور ﷺ صحیح سلامت موجود ہیں۔ قریش کو تو حضورؐ ہی سے دشمنی تھی اور حضورؐ ہی کے خون کے وہ پیاسے تھے۔ چنانچہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے تھے۔ قریش کا سارا لشکر ادھر اُمڈ پڑا۔ حضورؐ پر حملہ ہوا اور بری طرح زخمی ہو گئے۔ قریب تھا کہ حضورؐ شہید ہو جائیں لیکن مسلمان عین وقت پر پہنچ گئے اور انہوں نے حضورؐ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور آپؐ کے گرد اپنے بدنوں سے ایک زندہ اور نہ ہلنے والی دیوار بنا دی۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا، تلواریں چل رہی تھیں لیکن سب اس زندہ دیوار پر آ کر رک جاتی تھیں۔ آخر کار حضور ﷺ اور فوج پہاڑی پر جا چڑھے اور دشمن کو واپس ہونا پڑا۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا۔ ستر آدمی شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ جب مرد پہاڑی کے دامن میں کشت و خون کر رہے تھے۔ قریش کی کافر عورتوں نے ایک نہایت وحشیانہ فعل کیا جو مسلمان لڑائی میں شہید ہوئے تھے انہوں نے ان کے ناک اور کان کاٹ لیے اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے ان کا ہار بنا کر گلے میں پہنا۔ یہ ایک وحشیانہ رسم تھی جو آج کل بھی افریقہ کی بعض وحشی اقوام میں پائی جاتی ہے۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ حضرت حمزہؓ کی نعش تلاش کرائی۔ پیٹ چاک کیا اور جگر نکال کر چبانے لگی۔ اس کی بربریت اور درندگی کا تو یہ عالم تھا مگر مسلمان فوج میں جو عورتیں موجود تھیں۔ وہ خیر و برکت کے کام میں مصروف تھیں۔ لڑنے والوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ ان میں حضرت خاتون جنتؓ بھی موجود تھیں۔ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک کے زخم دھوئے اور بڑی مشکل سے خون بند کیا۔ کفار کی پسپائی کے بعد لشکر اسلام نے تھوڑی

Marfat.com

دیر آرام کیا۔ شہیدوں کو دفن کیا اور مدینہ کو واپس ہوا۔

یورپین مؤرخ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں قریش کو فتح ہوئی۔ لیکن قریش کو خود اس کا یقین نہ تھا۔ مسلمانوں میں ابھی دم خم باقی تھا، لڑ سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت رسالت پناہؐ زندہ اور صحیح سلامت موجود تھے۔ قریش نے مدینہ پر دوبارہ حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا اور کفار انہیں دیکھتے ہی پاؤں سر پر رکھ کر بھاگے۔ مدینہ میں شہدا کا بہت ماتم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو دلاسا دیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔

بدوی قبائل پر احد کا اثر

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا اس کا بدوی قبائل پر بہت برا اثر پڑا۔ وہ ہر سال مکہ کو حج کے لیے جایا کرتے تھے اور ضروری تھا کہ قریش کے اثر میں ہوں۔ ان کا پیشہ لوٹ مار تھا۔ اور اسلام اس کا سخت دشمن تھا۔ انہیں نظر آتا تھا کہ اگر اسلام طاقت پکڑ گیا۔ تو ڈاکہ زنی کا قلع قمع ہو جائے گا اور ہماری آزادی چھن جائے گی۔ بدر کی فتح سے ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا تھا۔ لیکن احد کی شکست نے ان کے دل بڑھا دیئے۔ وہ مدینے پر چھاپے مارنے لگے۔ اور سنہ ہجری کا چوتھا سال ان کے حملوں سے شہر کو بچانے میں لگ گیا۔

مبلّغوں کے قتل

بدوی بہت مکار اور دھو کے باز تھے۔ وہ مدینہ آئے اور فریب دینے کو کہتے کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ ہمارے قبیلے میں اپنے مبلغ بھیجئے۔ اسلام سیکھنے کے بہانے سے مبلغوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور راہ میں موقعہ پا کر ان کو قتل کر دیتے۔

ایک دفعہ ایک قبیلہ کا سردار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے ساتھ چند مبلغ روانہ فرما دیجئے تا کہ میرے قبیلے کو اسلام کی تبلیغ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر آدمی بھیجے جو سب کے سب قرآن کے حافظ اور قاری تھے۔ ان سب کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ اور ان میں سے صرف ایک بچ کر آیا جو مدینہ میں قتل عام کی خبر لایا۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر دو قبیلوں کی طرف سے قاصد

Marfat.com

آئے اور کہنے لگے کہ ہماری قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے کچھ معلم ہمارے ساتھ روانہ فرما دیں کہ ان کو اسلام کی تعلیم دیں۔ حضور ﷺ نے دس آدمی ان کے ساتھ روانہ فرما دیئے۔ جب وہ مدینہ سے دور نکل گئے تو یکا یک دوسو آدمیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ان میں سے آٹھ شہید ہوئے اور دو زندہ گرفتار ہوئے۔ پاجیوں نے ان کو مکّہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا اور مکّہ والوں نے ان کو بر سر عام شہید کر ڈالا۔ دونوں شہیدوں نے بڑی بہادری سے جان دی۔ ایک کا نام خبیبؓ تھا۔ انہوں نے اسلام کی محبت کے ترانے گاتے ہوئے جان دی۔ دوسرے کا نام زیدؓ تھا۔ ابوسفیان نے ان سے پوچھا کہ کیا تم خوش نہ ہوتے اگر تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے جو قتل کیے جاتے۔ زیدؓ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم! میں تو اس کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھے۔ یہ تھا ان مسلمانون کا حوصلہ اور یہ تھی وہ محبت جو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے دلوں میں بھر دی تھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

یہود کی شرارت

نہ صرف بدوی قبائل مدینہ پر چڑھ چڑھ کر آتے تھے بلکہ مدینہ کے یہودی بھی تاک میں رہتے تھے کہ اگر موقعہ ملے تو حضور ﷺ کو قتل کر دیں۔ مدینہ میں ابھی ان کے دو قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ موجود تھے۔ بنی نضیر مکّہ والوں کے ساتھ گہری اور خفیہ سازشیں کر رہے تھے۔ معاہدہ کے رو سے ان کا فرض تھا کہ مکّہ والوں کے خلاف مسلمانوں کی امداد کریں اور قریش کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہ رکھیں۔ لیکن وہ لڑائیوں میں مسلمانون کے خلاف قریش کو مدد دیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا کہ آ کر ہمارے علما کے ساتھ گفتگو کریں۔ کہنے لگے اگر ہمارے علما کی تشفی ہو گئی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا، مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ جب تک تم اپنے معاہدے کو تازہ نہ کرو۔ وہ اس پر رضا مند ہو گئے۔ انہوں نے پھر ایک موقعہ پر حضورؐ کو بلا بھیجا۔ حضورؐ تشریف لے گئے لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو قتل کی سازش کر رہے ہیں، اس لیے رسالت پناہؐ فوراً پلٹ آئے۔

غزوۂ احد کے چند ماہ بعد کا واقعہ ہے کہ دو آدمی اتفاقیہ قتل ہو گئے ان کا خون بہا ادا کرنا تھا اور رسول اللہ ﷺ چندہ کرنے کے لیے بنی نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے کہا تھوڑی دیر

Marfat.com

انتظار کریں۔ حضور ﷺ ایک دیوار کے سائے میں کھڑے ہو گئے اتنے میں ایک یہودی کوٹھے کی چھت پر چڑھا کر اوپر سے چکی کا پاٹ حضور ﷺ کے اوپر گرا دے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی شرارت کی اطلاع عین وقت پر ہوئی۔ اور حضورؐ وہاں سے ہٹ آئے اور اپنے ہاں تشریف لے آئے۔ اور بنی نضیر کے نام فرمان بھیجا کہ مدینہ سے نکل جائیں۔ انہوں نے انکار کیا اور جنگ کا اعلان ہو گیا۔

بنی نضیر کا اخراج

مسلمانوں کو فوراً ہتھیار بندی کا حکم ہوا اور بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی نے بھی بنی نضیر کا حوصلہ بڑھایا اور کہلا بھیجا کہ میں خود اور تمہارے ہم مذہب بنی قریظہ تمہاری مدد کو آئیں گے لیکن ان کی مدد کو کوئی نہ پہنچا اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد بنی نضیر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کو مدینہ سے جلا وطنی کا حکم ہوا اور اجازت دے دی گئی کہ جس قدر مال و اسباب اپنے اونٹوں پر لاد سکیں لاد کر لے جائیں۔ بنی نضیر بڑی شان سے مدینہ سے نکلے۔ باجا بجتا جاتا اور ان کی عورتیں گاتی اور طنبورے بجاتی جاتی تھیں۔ جاتے ہوئے اپنا سب اسباب سمیٹ کر لے گئے، یہاں تک کہ مکانوں کی چوکھٹیں تک نہ چھوڑیں۔

Marfat.com

چودھواں باب

غزوۂ خندق

مدینہ کے شمال میں اک زرخیز وادی ہے جس کا نام خیبر ہے۔ یہاں یہودی بستے تھے۔ بنی نضیر کے بعض عمائد مدینہ سے دیس بدر ہو کر یہیں آ بسے اور وہاں سے ملک میں فتنہ وفساد کی آگ پھیلانے لگے۔ انہوں نے قریش کے ساتھ عہد و پیمان کیے۔ قبائل عرب کا دورہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک متفقہ جنگ کی تیاری کرنے کے لیے ان کو اکسایا۔ چنانچہ بعض قبیلوں نے اپنے لشکر مرتب کیے اور مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے بھی فوراً ان کے خلاف فوجیں روانہ فرمائیں اور ان کو بھگا دیا گیا۔ ایک موقعہ پر رسول اللہؐ خود فوج لے کر ایک قبیلے کے خلاف نکلے۔ اور ان کے چھ سو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن زر فدیہ لیے بغیر ان کو چھوڑ دیا۔

قریش کا پانچواں حملہ

خیبر کے یہود اور قریش مکہ کی سازشیں آخر کار رنگ لائیں۔ ان کے انتظامات مکمل ہو گئے اور وہ جنوری ۶۲۷ء میں دس ہزار کی فوج گراں لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملے میں بہت سے قبائل شریک ہوئے۔ گویا کئی قومیں صرف ایک مرد خدا محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے جمع ہو گئی تھیں۔ کفار کی فوج کا قائد اعظم ابوسفیان تھا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ بڑے چوکس انسان تھے۔ سب طرف کی خبر رکھتے تھے۔ ملک میں جو جو واقعات اور تحریکیں ہوتی تھیں۔ سب سے آگاہ رہتے تھے۔ حضور ﷺ کو پہلے ہی سے علم تھا کہ کون کون سے قبائل حملہ میں شریک ہوئے ہیں اور دشمن کی فوج کس قدر ہے۔ جونہی حضور ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ ابوسفیان ایک ٹڈی دل فوج لیے بڑھا چلا آ رہا ہے تو حضور ﷺ نے جنگی کونسل مشورے کے لیے طلب کی۔ حضرت سلمانؓ فارسی جو ایران کے رہنے والے اور مدینہ آ کر

Marfat.com

مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی وہیں موجود تھے۔ان کی رائے تھی کہ ایک گہری خندق کھودی جائے جس کو غنیم پھاند نہ سکے۔یہ رائے سب کو پسند آئی۔مدینہ تین طرف سے محفوظ تھا۔صرف ایک طرف کھلی تھی۔اور اس طرف گہری خندق کھود دی گئی۔عرب کی جنگ و جدال میں یہ ایک نئی بات تھی اور اسی لیے اس لڑائی کو غزوۂ خندق کہتے ہیں۔قرآن شریف میں اسے غزوۂ احزاب کہا ہے کیونکہ مسلمانوں کے خلاف بہت سے قبائل متحد ہو کر آئے تھے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی۔خندق بنانے میں بھی حضورؐ نے سب کے ساتھ مل کر کام کیا۔بدن مبارک مٹی میں لتھڑ گیا تھا۔بھوک اور تکان سے چکنا چور ہو رہے تھے لیکن صبح سے شام تک لگا تار کام کرتے تھے۔بیس دن میں دشمن کی آمد سے پہلے خندق تیار ہو گئی۔عورتوں اور بچوں کو حفاظت کے لیے ایک قلعہ میں ڈال دیا گیا اور تین ہزار کا اسلامی لشکر خندق کے پیچھے موزوں مقامات پر مقرر کیا گیا۔یہودیوں کے قبیلہ بنی قریظہ کے ساتھ ایک سال پہلے نیا معاہدہ ہوا تھا جس کی رو سے ان کا فرض تھا کہ شہر کی مدافعت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں لیکن انہوں نے معاہدہ توڑ ڈالا اور دشمن سے مل گئے۔ڈر تھا کہ کہیں پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں۔اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دو سو کا ایک دستہ ان کو نگاہ میں رکھنے کے لیے مقرر کر دیا۔

لڑائی شروع ہوئی۔دشمن خندق کے پار نہ آ سکتے تھے۔اس لیے تیروں اور پتھروں سے لڑتے رہے،کئی دن تک یہی سلسلہ جاری رہا لیکن مسلمانوں کا اس سے کچھ نہ بگڑا۔خندق ایک مقام پر ذرا کم چوڑی تھی۔اور ایک دن چار قریشی سوار اس کو پھاند آئے اور مسلمانوں سے مبارز طلب کیے۔سواروں میں سب سے آگے عمرو بن عبدود تھا۔جس کی بہادری کی شہرت دور دور تک تھی۔اس کی صلا پر اسلام کے جوان سال بہادر حضرت علیؓ حیدر کرار میدان میں نکلے۔پہلا وار عمرو نے کیا اور اس کی تلوار حضرت علیؓ کی ڈھال کو چیرتی ہوئی پیشانی پر لگی۔(عرب کی ڈھالیں لکڑی کی ہوتی تھیں جن پر چمڑا منڈھا ہوتا تھا) حضرت علیؓ بجلی کی طرح جھپٹے اور دشمن کے دو ٹکڑے کر کے رکھ دیئے۔عبدود کے دو اور ساتھی بھی قتل ہوئے۔چوتھا خندق میں گر پڑا۔اس پر تیر برسنے لگے تو چلا اٹھا۔مسلمانو! میں شرفا کی اولاد ہوں اور شرفا

Marfat.com

کی موت مرنا چاہتا ہوں۔ تیروں کو بند کرو۔ اس پر حضرت علیؓ خندق میں کود ے اور تلور سے اس کا سر قلم کر دیا۔ شریفانہ موت تلوار ہی کی موت ہے۔ فوجیں تو ادھر اور خندق کے آر پار لڑ رہی تھیں۔ ادھر یہودی جس قلعے میں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے رکھا گیا تھا اس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک یہودی دروازے تک آیا اور حملہ کرنے کی راہ دیکھنے لگا۔ دربار نبوی کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت کو عورتوں اور بچوں کی نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن تھے سخت بزدل، کچھ نہ کر سکتے تھے۔ عرب عورتیں بڑی دلاور ہوتی تھیں اور ایک عورت ہی کی بہادری نے قلعہ کو بچایا۔ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ قلعہ میں تھیں۔ آپ نے خیمہ کی چوب یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ ڈھیر ہو گیا۔ پھر سر کاٹ کر دروازے کے باہر پھینک دیا۔ تاکہ یہودی سمجھیں کہ قلعہ میں بھی مرد ہیں۔ چنانچہ یہودیوں کو قلعہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

فتح اسلام

محاصرہ ایک مہینہ جاری رہا۔ سرما کا موسم تھا اور سردی بہت پڑ رہی تھی۔ مسلمانوں کو خوراک کی کمی سے بہت تکلیف ہوئی۔ کیوں کہ کھانے کی چیزیں باہر سے نہیں لائی جا سکتی تھیں۔ ایک ماہ میں دشمن کا خوراک کا ذخیرہ بھی تمام ہوا۔ دس ہزار آدمی اور ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے لیے ہر روز کھانا اور چارہ مہیا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بھوک کے علاوہ سردی کی شدت بھی بے جان کر رہی تھی۔ اور ایک رات ایسی آندھی چلی کہ ان کے خیمے گر گئے۔ ہانڈیاں الٹ گئیں اور ڈیرے میں افراتفری پڑ گئی۔ یہ حال دیکھ کر سب کے حوصلے جاتے رہے۔ جلدی جلدی ڈیرا ڈنڈا اٹھایا اور رفو چکر ہو گئے۔ بنی قریظہ جو دشمن سے جا ملے تھے، وہ بھی اپنے قلعے میں واپس آ گئے۔ صبح ہوئی تو مطلع صاف تھا اور دشمن کا کہیں نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ غزوۂ خندق فتح ہوا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

یہود کی غداری

یہودیوں کو غداری کی سزا دینا اب ضروری ہو گیا تھا۔ انہوں نے معاہدہ نہایت نازک وقت میں توڑا تھا۔ ان کا فرض تھا کہ شہر کی مدافعت میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹاتے اور پہلو بہ پہلو لڑتے۔ وہ الٹے

Marfat.com

دشمن سے جا ملے ان کی غداری نے ہر ایک مرد اور عورت اور بچے کی جان کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے اس پر بس نہ کی۔ بلکہ جس وقت مرد شہر کی حفاظت کے لیے لڑ رہے تھے، انہوں نے اس قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس میں عورتوں اور بچوں نے پناہ لی تھی۔ یہ نہایت خطرناک اور سنگین جرم تھا اور ہر ایک قدیمی یا نئے قانون کی رو سے اس جرم کی سزا موت تھی۔

چنانچہ جب قریش اور ان کے حلیف روانہ ہو چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فوج اسلام کو حکم دیا کہ بنی قریظہ پر چڑھائی کریں۔ بجائے اس کے کہ اپنی غداری کے لیے معافی مانگیں۔ بنی قریظہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے آگے جا کر ان کو صلح کی دعوت دی۔ انہوں نے جواب میں سرور دو عالمؐ کو گالیاں دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا فوراً محاصرہ کر لیا گیا۔ ایک مہینہ کے محاصرے کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

عبرتناک سزا

بنی قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے اور اوس کے رئیس سعدؓ بن معاذ تھے، جو مسلمان تھے۔ سعدؓ غزوۂ خندق میں لڑے تھے اور زخموں سے چور ہو کر مسجد میں پڑے تھے۔ جہاں ایک مسلمان خاتون نے زخمیوں کی تیمار داری کے لیے ایک خیمہ لگایا ہوا تھا۔ قریظہ نے عرض کی کہ ہمارا مقدمہ سعدؓ کے سامنے پیش ہو۔ رسول اللہ نے ان کی درخواست منظور کی۔ مقدمہ سعدؓ کے سامنے پیش ہوا اور انہوں نے یہود کی شریعت کے مطابق ہی اس کا فیصلہ کیا۔ بائیبل میں ہے کہ اگر کوئی شہر یا قصبہ محاصرہ کر کے فتح کیا جائے تو اس کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لینا چاہیئے۔ یہ بڑا ظالمانہ قانون ہے لیکن بنی قریظہ کا قلعہ نہ صرف محاصرہ کر کے فتح کیا گیا تھا۔ وہ ایک بہت سنگین جرم کے مجرم بھی تھے۔ اس جرم کی سزا ہمیشہ موت ہوا کرتی ہے۔ وہ غدار تھے۔ انہوں نے اس وقت غداری کی تھی جب شہر کا شہر خطرے میں تھا اور ہر ایک مسلمان مرد، عورت اور بچے کی جان ترازو میں تھی۔ اس قسم کے غداروں کے لیے صرف ایک سزا ہوا کرتی ہے اور سزائے موت ہے۔ یہی سزا قدیم زمانے میں دی جاتی تھی۔ اور یہی سزا آج اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں دی جاتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ سعدؓ بن معاذ کو بنی قریظہ نے ہی اپنا جج

Marfat.com

مقرر کیا تھا اور جج نے ان ہی کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے مرد قتل کیے جائیں۔اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔اس پرعمل ہوا اور چار یا چھ سو مرد قتل کیے گئے۔

اگر کم بخت اپنے آپ کو رحمت عالم ﷺ کے رحم پر چھوڑ دیتے تو ممکن ہی نہیں بلکہ اغلب ہے کہ حضورؐ سب کی جان بخشی فرماتے۔اور ان کو بنی قینقاع اور بنی نضیر کی طرح جلاوطن کرنے پر ہی اکتفا کرتے۔

Marfat.com

پندرھواں باب

صلح حدیبیہ

مکّہ معظّمہ میں دو قسم کے حج ہوا کرتے ہیں۔ ایک کو تو حج ہی کہتے ہیں اور دوسرے کو عمرہ۔ عمرہ حج کی نسبت بہت مختصر ہوتا ہے اور سال کے ہر مہینے میں ہو سکتا ہے لیکن حج سال میں ایک بار اور ایک خاص مہینے (ذوالحجہ کے خاص دنوں) میں ہوتا ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ نے ماہ رجب میں عمرہ کرنے کا ارادہ کیا۔ رجب حرمت کا مہینہ تھا اور اس میں جنگ و جدال منع تھی۔ سخت سے سخت دشمن بھی اس مہینے میں امن سے سفر کر سکتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو امید تھی کہ قریش مزاحم نہیں ہوں گے اور عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ فروری ۶۲۸ء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چودہ سو ہمراہیوں کے ساتھ مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔

لیکن جب قریش کو حضورؐ کی آمد آمد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ایک بڑا لشکر جمع کیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ[1] نامی ایک مقام پر جو کہ مکّہ سے ایک منزل پر واقع ہے قیام فرمایا۔ یاد ہوگا کہ حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے قبیلہ بنی خزاعہ کے ساتھ دوستی اور باہمی اعانت کا دائمی عہد نامہ کر رکھا تھا اس لیے ہی خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے بھی حلیف ٹھہرے۔ چنانچہ مکّہ والوں کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر ان کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع کی کہ قریش لڑائی کی تیاریاں کر رہے ہیں اور آپؐ کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ رحمت عالم ﷺ نے ان سے فرمایا ہماری طرف سے قریش کو جا کر پیغام دو اور کہہ دو کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں آئے ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ قریش نے لڑائیوں میں نقصان اٹھایا ہے، ان سے کہہ دو کہ میرے ساتھ چند سالوں کے لیے صلح کا معاہدہ کر لیں۔ صلح کرنے میں ان کی بہتری ہے لیکن اگر وہ نہ مانیں تو

[1] اس مقام کو آج کل شمیسی کہتے ہیں اور یہ مکہ معظمہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے۔ (عبدالجبار شاکر)

Marfat.com

کہہ دو کہ میں ان کے ساتھ اس وقت تک جنگ کروں گا، جب تک اللہ تعالیٰ ان کے اور ہمارے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

یہ پیغام پہنچا دیا گیا۔قریش صلح کرنے پر رضامند ہو گئے اور صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے اپنا آدمی بھیجا۔شرائط طے نہ ہو سکیں اور قریش کا ایلچی واپس گیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ایلچی بھیجا۔لیکن قریش نے اس کا اونٹ قتل کر دیا اور اگر دو ایک بھلے آدمی بیچ میں نہ آ جاتے تو ایلچی بھی قتل ہو جاتا۔اب قریش نے فوج کا ایک دستہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔دستہ سارے کا سارا گرفتار کر لیا گیا۔لیکن حضورؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔پھر شہنشاہ دو جہاںؐ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ کو صلح کی شرائط پر گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔حضرت عثمان کو قید کر لیا گیا۔اور خبر پھیل گئی کہ وہ شہید ہو گئے۔

بیعت رضوان

اس خبر کے پھیلنے پر مسلمانوں کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی اور انتقام کے لیے صدائیں بلند ہونے لگیں۔قائد اعظم رسول خدا ﷺ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔اور مسلمانوں سے موت پر بیعت لی۔ایک ایک صحابی آتا تھا اور رسول اللہ سے ہاتھ میں ہاتھ دے کر حلف اٹھاتا تھا کہ یا تو عثمانؓ کے خون کا بدلہ لوں گا یا اس کوشش میں قتل ہو جاؤں گا۔یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط ثابت ہوئی اور وہ زندہ سلامت واپس پہنچ گئے۔

شرائط صلح

اس پر قریش نے ایک اور ایلچی بھیجا دونوں جانب سے بہت تقریریں ہوئیں۔آخر کار شرائط طے پا گئیں۔اور معاہدہ لکھا گیا۔شرائط حسب ذیل تھیں:۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے مدینہ کو واپس جائیں۔

۲۔ وہ اگلے سال آئیں۔مکہ میں تین دن ٹھہریں اور واپس چلے جائیں۔

۳۔ ہتھیاروں کے بغیر آئیں۔تلوار چونکہ ایک شریف آدمی کے لباس کا حصہ ہے اس لیے تلواریں بے شک لائیں۔لیکن تلواریں نیاموں میں ہوں اور نیام تھیلوں میں۔

Marfat.com

۴۔ عرب قبائل کو اجازت ہے جس فریق کے ساتھ چاہیں دوستی اور باہمی اعانت کے معاہدے کر لیں۔

۵۔ جو مسلمان مکہ میں ہیں ان کو مدینہ میں پناہ نہ دی جائے۔

۶۔ اگر مکہ کا کوئی مسلم یا غیر مسلم مدینہ چلا جائے تو اس کو واپس بھیج دیا جائے لیکن کوئی مسلمان مکہ چلا جائے تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

یہ شرائط مسلمانوں پر بڑی شاق تھیں۔ مکہ میں کچھ غریب مسلمان رہ گئے تھے جن کو قریش طرح طرح کے عذاب دیا کرتے تھے۔ چھٹی شرط بالکل یک طرفہ اور صریحاً بے انصافی پر مبنی تھیں اور مسلمانوں کو اس کا بڑا رنج تھا۔ صلح کی شرائط صاف کہہ رہی تھیں کہ یہ دب کر صلح ہوئی ہے اور مسلمانوں کی غیرت اس کو قبول نہیں کرتی تھی۔ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا ہادی برحق یہ صلح ہمارے لیے باعث ننگ ہے۔ ہم اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دلاسا دیا اور فرمایا صبر سے کام لو۔ صلح تو اب ہو چکی۔ عہد نامہ لکھا گیا اور اس پر مہر ہو چکی۔ ہم اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد کرے گا۔

صلح کے نتائج

رسول اللہ کا ارشاد بالکل بجا اور درست تھا۔ اور نتائج نے ثابت کر دیا کہ یہ صلح حقیقت میں اسلام کی بہت بڑی فتح تھی۔ قرآن شریف میں اس کو فتح مبین یعنی کھلی کھلی فتح کہا گیا ہے۔ رحمت دو عالمؐ کو تو صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ ملک میں امن ہو تا کہ اسلام کی تبلیغ کی جا سکے۔ اگر قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام میں مزاحم نہ ہوتے اور لڑائیوں کے لیے چڑھ چڑھ کر نہ جاتے تو اسلام اس وقت تک سارے ملک میں پھیل چکا ہوتا۔ صلح حدیبیہ سے ملک میں امن ہو گیا اور مسلمان آزادانہ ادھر ادھر جانے لگے۔ اشاعت اسلام کے لیے دور دور کے قبائل میں مبلغ روانہ کیے گئے۔ خود قریش تجارت کے لیے مدینے آنے جانے لگے۔ وہ مسلمانوں سے ملتے، ان کے پاس بیٹھتے، بات چیت کرتے، اور باتوں باتوں میں اسلام کا اثر ساتھ لے جاتے تھے۔ اس طرح اسلام سرعت کے ساتھ ملک میں پھیلنے لگ گیا۔

Marfat.com

معاہدے کی چھٹی شرط جو مسلمانوں کو اس قدر شاق تھی کہ مکہ والوں نے کچھ عرصہ کے بعد خود بخود چھوڑ دی۔ اس کا قصہ یوں ہوا۔ ایک مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا۔ مکہ والوں کے دو آدمی اس کو گرفتار کرنے آئے۔ چنانچہ اسے ان کے حوالے کر دیا گیا اور وہ اسے لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں موقعہ پا کر اس نے ایک کو قتل کر دیا اور خود سمندر کے ساحل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بعد مکہ سے کچھ اور مسلمان بھاگے اور اس سے جا ملے۔ ہوتے ہوتے ایک جمعیت بن گئی اور قریش کی تجارت کے لیے خطرہ ہو گئی۔ انہوں نے مکہ والوں کے قافلے لوٹ لیے اور شام کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر قریش کی آنکھیں کھلیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں لکھا کہ ہم چھٹی شرط سے باز آئے۔ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا جائے اور وہیں رہنا چاہے۔ تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ جو مسلمان ساحل سمندر پر جا بسے تھے۔ حضور ﷺ نے اب ان کو مدینہ میں بلا لیا۔ وہ آئے اور قریش کے لیے شام کا راستہ کھل گیا۔

بادشاہوں کے نام خط

اس وقت تک اسلام کی تبلیغ صرف ملک عرب میں ہوتی رہی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا پیغام صرف عرب کے لیے نہ تھا۔ بلکہ حضور ﷺ تمام دنیا کے لیے ہادی بن کر آئے تھے۔ ملک میں امن و امان تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عرب سے باہر کی دنیا کو بھی اسلام کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ عرب کے دور دور کے قبائل کے رئیسوں، قیصر روم، شہنشاہ ایران، شاہ حبش اور شاہ مصر، اور حارث غسانی کو جو شام میں رومی سلطنت کا محض ایک رئیس رہ گیا تھا، خط لکھے گئے۔ ان میں سے کچھ خط آج تک موجود ہیں۔ ایک خط کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ترکی شہزادے کے پاس ہے (یہ ان دنوں ترکی کے عجائب گھر توپ کاپی میں موجود ہے) ان خطوں میں ان ملکوں کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی گئی تاکہ ان کی رعایا بھی ان کی مثال سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو جائے۔

آنحضرتؐ کا قاصد جب رومی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا تو شہنشاہ بہت عزت سے پیش آیا۔ نامۂ مبارک دربار میں پڑھا گیا۔ اتفاق سے ابوسفیان جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ حسب معمول

Marfat.com

تجارت کا قافلہ لے کر آیا ہوا تھا، موجود تھا۔ قیصر نے ابوسفیان کو بلوایا اور رسول اللہ کے متعلق پوچھا۔ ابو سفیان نے جواب دیا۔ محمد ﷺ شریف گھرانے سے ہیں۔ آپؐ کے پیرو دن بدن بڑھتے جاتے ہیں۔ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ وعدے کے پکے ہیں اور عہد کبھی نہیں توڑتے۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، سچ بولیں، پڑوسی کا حق پہچانیں، اور نیکی اور پاکیزگی کی زندگی بسر کریں۔ یہ باتیں معلوم کر کے قیصر کے دل پر بہت اثر ہوا اور وہ اسلام قبول کرنا چاہتا تھا۔ قیصر کا رجحان دیکھ کر اس کے افسر اور پادری بہت غضب ناک ہوئے۔ قیصر ڈر گیا کہ کہیں تخت و تاج نہ چھن جائے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اس کے خلاف کسرائے ایران حضور ﷺ کا خط دیکھ کر بہت غصے میں آیا۔ خط مبارک کے پرزے کر دیئے۔ اور سرور دو عالم کی شان میں گستاخانہ جملے استعمال کیے اور یمن کے ایرانی گورنر کو لکھا کہ محمد ﷺ کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ گورنر مدینہ پہنچا اور حلقہ اسلام میں داخل ہوا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کسریٰ کو اس کے اپنے آدمیوں نے ہی قتل کر دیا۔

شاہ حبش نے اسلام قبول کر لیا۔ مصر کے بادشاہ نے جواب میں مؤدبانہ خط لکھا۔ تحفے تحائف بھیجے۔ لیکن اسلام کی نعمت سے محروم رہا۔ حارث غسانی بہت غضبناک ہوا اور جنگ کی دھمکیاں دینے لگا۔ اس سال دو مشہور انسان اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے۔ خالدؓ بن ولید اور عمرو بن العاص۔ خالدؓ جنگ احد میں آنحضرت ﷺ کے خلاف لڑے تھے۔ اور مسلمانوں کی فتح کو شکست میں بدل دیا تھا۔ ایک دن چپکے سے مکہ سے نکلے اور مدینہ کی راہ لی۔ راہ میں عمروؓ بن العاص ملے۔ اس نے پوچھا خالدؓ! کہاں جاتے ہو؟ خالدؓ نے جواب دیا۔ اسلام قبول کرنے مدینہ جا رہا ہوں۔ عمروؓ نے کہا میں بھی اسی ارادے سے نکلا ہوں۔ چنانچہ دونوں اکٹھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبول اسلام کا اعلان کیا۔ اس کے چند سال بعد خالدؓ نے شام اور عمرو رضی اللہ عنہ نے ایران اسلام کے لیے فتح کیے۔

☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

سولھواں باب

غزوۂ خیبر

خیبر اسلام کی دشمنی کا مرکز ہونے کی حیثیت سے مکہ سے دوسرے درجہ پر تھا۔ یہاں صرف یہودی آباد تھے۔ فدک اور وادی القریٰ کی زرخیز وادیاں قریب ہی تھیں۔ وہاں بھی یہودی ہی بستے تھے۔ خیبر بہت مضبوط مقام تھا جہاں یہودیوں کے کئی قلعے تھے۔ بنی نضیر کے بعض رئیس بھی مدینہ سے جلا وطن ہو کر یہیں آباد ہو گئے تھے۔ خیبر کے یہودی غزوۂ خندق میں قریش کے شریک تھے اور انہی کے اکسانے پر بنی قریظہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ مکہ کے ساتھ تو اب صلح تھی لیکن خیبر کے یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے۔ سب طرف سے فتنے اور فساد کی آگ پھیلاتے پھرتے تھے۔ سازشیں کرتے تھے۔ نجد کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے تھے اور رسول اللہؐ کو بدوی قبائل کی روک تھام کے لیے دستوں پر دستے بھیجنے پڑے۔ یہ آگ خیبر کے یہودیوں کی لگائی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ بدوی حضور ﷺ کی بیس اونٹنیاں اٹھالے گئے اور چرواہے اور اس کی بیوی کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ اونٹ تو مل گئے لیکن ڈاکو بچ کر نکل گئے۔

خیبر پر لشکر کشی

یہ آئے دن کی ہل چل خیبر کے یہودیوں کی شرارت کا ہی نتیجہ تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ جب تک ان کی طاقت کو نہ کچلا جائے گا مسلمانوں کو آرام سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ نے معاہدے کے لیے ان کے پاس ایلچی بھیجے لیکن وہ ایلچیوں پر ہی جھپٹ پڑے۔ اور ان پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے ۷ ہجری کے شروع (اگست و ستمبر ۶۲۸ء) میں حضور اقدس ﷺ نے چودہ سو پیادہ فوج اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر پر چڑھائی کر دی۔

Marfat.com

خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ چودہ دن کی مسافت کے بعد ایک دن تیسرے پہر کو اسلامی لشکر شہر کے قریب پہنچ گیا۔ رات وہیں بسر کی اور اگلی صبح کو فوج شہر کی دیواروں کے نیچے نمودار ہوئی۔ یہودیوں کو لشکر اسلام کی آمد آمد کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شاہ مدینہ ﷺ اس تیزی کے ساتھ ان پر آ نازل ہوں گے۔ رحمت عالم ﷺ کو جب بھی امید تھی کہ یہودی صلح پر رضا مند ہو جائیں گے۔ لیکن صلح کی سب امیدیں ناکارہ ثابت ہوئیں اور یہودی جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

مسلمانوں نے بھی سوائے جنگ کے اور کوئی صورت نہ دیکھی اور حملہ کر دیا۔ یہودی بیس ہزار تھے لیکن مسلمان عرب کے بہترین جرنیل یعنی حضرت رسالت پناہ کی کمان میں تھے اور بہت بہادری سے لڑے۔ پانچ قلعے تو آسانی سے فتح کر لیے گئے۔ چھٹا قلعہ جس کا نام قموص تھا، بہت مضبوط تھا۔ اس قلعے کا مالک مرحب تھا، جو بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا اور قوت اور دلیر دلی میں ہزار آدمی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس قلعہ پر پے در پے حملے کیے گئے لیکن سب ناکام رہے۔

فاتح خیبر

(ان دنوں) حضرت علیؓ کی آنکھوں میں تکلیف تھی اور اس جنگ میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن ایک دن صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو حکم دیا کہ جاؤ اور قلعے پر حملہ کرو۔ جناب مرتضیٰؓ جب آگے بڑھے تو مرحب بھی ان کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کو اپنی بہادری کی لافیں مارتا ہوا اکیلا نکلا۔ ”خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ دلیر، تجربہ کار اور سلاح پوش ہوں، جب جنگ و پیکار شعلہ زن ہو۔“ عرب میں شاعری کا گھر گھر چرچا تھا۔ قریباً ہر ایک عرب موقعہ پڑے تو شعر موزوں کر لیا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ نے طبع موزوں پائی تھی۔ شعر اچھا کہہ لیتے تھے۔ چنانچہ مرحب کے جواب میں فوراً کہا:

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا تھا اور میں بھی بیاباں کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں، میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔“

جب دونوں بہادر قریب ہوئے تو حضرت علیؓ کی مشہور تلوار ذوالفقار تڑپتی ہوئی نیام سے نکلی اور

Marfat.com

مرحب کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب کا مرنا تھا کہ یہودی دل چھوڑ بیٹھے اور قموص فتح ہو گیا۔

خیبر پر اب مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہودیوں نے التجا کی کہ مکان اور زمینیں ہمارے قبضے میں ہی چھوڑ دی جائیں ہم کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف حصہ لگان کے طور پر ادا کر دیا کریں گے۔ ان کی درخواست منظور ہوئی اور شہر انہی کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا۔ اس جنگ میں نوے یہودی کام آئے اور مسلمان صرف پندرہ شہید ہوئے۔

قتل کی کوشش

فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے چند دن خیبر میں قیام فرمایا۔ ایک دن ایک یہودی عورت نے حضور ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ حضور ﷺ تو عاجز سے عاجز انسان کی دعوت سے انکار نہیں کرتے تھے۔ قبول فرمالی اور تشریف لے گئے۔ کھانے پر بیٹھے تو ابھی ایک لقمہ ہی منہ میں ڈالا تھا کہ حضورؐ کو (وحی کے ذریعے) پتہ لگ گیا کہ اس کھانے میں زہر ہے۔ آپؐ نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور عورت سے اس کھانے کے متعلق سوال کیا۔ اس نے اقرار کیا کہ میں نے خیبر کی فتح کا انتقام لینے کے لیے کھانے میں زہر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنی ذات پر کوئی حملہ ہو تو حضور ﷺ اس کا انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔ چنانچہ عورت کو معاف کر دیا گیا اور اسے کچھ نہ کہا لیکن آپؐ کے ایک صحابی نے کھانا ذرا زیادہ کھا لیا تھا۔ اس پر زہر کا اثر ہو گیا اور وہ شہید ہو گیا اس پر اس عورت کے قتل کر جرم میں (قصاص یعنی) موت کی سزا دی گئی۔

خیبر سے تھوڑی دور یہودیوں کی آبادی فدک نامی تھی۔ یہاں کے لوگوں نے لڑائی کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ وادی القریٰ میں کچھ لڑائی ہوئی لیکن یہودیوں نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت اختیار کی۔ دونوں قصبوں پر وہی شرائط عائد کی گئیں جو خیبر والوں نے قبول کی تھیں۔ ان انتظامات سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

یاد ہو گا کہ نبوت کے پانچویں سال ایک سو مسلمان ہجرت کر کے حبش جا رہے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ان میں بعض وہاں چلے آئے جو پیچھے رہے تھے وہ خیبر کی فتح

Marfat.com

کے بعد آئے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بھی اسی دوسرے گروہ کے ساتھ آئے۔

عمرہ

صلح حدیبیہ کو اب ایک سال ہو چکا تھا اور وقت آ گیا تھا کہ صلح کے مطابق عمرہ کرنے مکّہ جائیں۔ جو مسلمان گزشتہ سال حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہؐ کے ساتھ گئے تھے اور جنہوں نے بیعت رضوان میں موت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ حضورؐ نے ان کو دعوت دی کہ سفر کے لیے تیار ہو جائیں۔ انصار کو کعبہ کا حج کیے اور مہاجرین کو اپنے گھر بار چھوڑے سات برس بیت چکے تھے۔ چنانچہ اس سفر پر جانے سے بے حد خوش تھے۔ مسلمانوں نے ہتھیار مکّہ سے آٹھ میل باہر ایک مقام پر چھوڑے۔ دو سو سواروں کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لیے مقرر کیا اور خود مکّہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ قریش مسلمانوں کو دیکھنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ شہر کو خالی چھوڑ کر پہاڑیوں میں چلے گئے۔ عہد کے مطابق رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام تین دن تک مکّہ میں رہے۔ تین دن گذر گئے تو وہاں سے روانہ ہو پڑے۔ اور مدینہ کی راہ لی۔

معرکۂ موتہ

۸ ہجری (۶۲۹ء) میں ایک بہت دردناک واقعہ پیش آیا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسرائے ایران، قیصر روم اور دوسرے بادشاہوں اور رئیسوں کے نام خط بھیجے تھے تو ایک خط شرحبیل بن عمرو کے نام بھی روانہ فرمایا تھا۔ جو قیصر روم کے ماتحت شام کے ایک شہر بصرہ کا رئیس تھا۔ شرحبیل عیسائی تھا۔ آنحضرتؐ کا خط دیکھ کر ایسا غضب ناک ہوا کہ حضورؐ کے ایلچی کو قتل کر دیا۔ بین الاقوامی قوانین اور سفارتی آداب کے تحت ایلچی کا قتل نہایت وحشیانہ فعل ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتا۔ اس کی سزا دینے کے لیے سرکار دو عالم ﷺ نے تین ہزار کا ایک لشکر جرار تیار کیا۔ اور زیدؓ بن حارثہ کی کمان میں شام کی طرف روانہ کیا۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ زیدؓ حضرت خدیجہؓ کے غلام رہ چکے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ فوج میں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور خالدؓ بن ولید کے رتبے کے

Marfat.com

لوگ تھے۔ یہ لوگ بہت بلند مرتبہ گھرانوں سے تھے۔ان کے علاوہ اور عالی نسب لوگ بھی فوج میں تھے اوران سب کوایک آزاد شدہ غلام کی ماتحتی میں رکھ دیا۔لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور کہنے لگے۔ عالی نسب شرفا کا ایک ایسے آدمی کے ماتحت رکھنا ٹھیک نہیں ۔ جو ابتدا میں غلام رہ چکا ہے لیکن حضرت رسالت پناہؐ ان کو مساوات کا سبق دینا چاہتے تھے۔جب آپؐ کو لوگوں کی چہ میگویوں کا علم ہوا تو حضورؐ نے ان کو بلا کر فرمایا۔ ہمارا دین اسلام ہے اور اسلام میں ذاتی جوہر کی قدر ہونی چاہئے، نہ کہ محض خاندان اور نسب کی۔ مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کرے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔علاوہ ازیں زیدؓ ہر طرح سے امارت کے قابل ہے۔روح حق کے سامنے اعتراض کرنے کی کسی کو مجال نہ رہی اور یہ جھگڑا یوں طے ہوا۔لشکر کی روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اگر زیدؓ لڑائی میں شہید ہوں تو جعفر امیر بنیں۔اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ (مدینہ کے انصار میں سے تھے) امیر بنیں۔

لڑائی شام کی سرحد پر موتہ نامی مقام پر ہوئی۔شرحبیل نے ایک لاکھ کا ٹڈی دل لشکر اکٹھا کر رکھا تھا۔لیکن مسلمان بڑی تعداد سے کب ڈرنے والے تھے۔انہوں نے مردانہ وار حملہ کر دیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضرت زیدؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے اور حضرت جعفرؓ ان کی جگہ قائد بنے۔ وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہوئے اور عبداللہؓ بن رواحہ امیر بنے، لیکن ان کو بھی شہادت کا شربت پینا پڑا۔ اس پر خالدؓ بن ولید کمانڈر بنے۔خالدؓ نہایت بے جگری سے لڑنے والے سپاہی تھے اور روایت ہے کہ اس لڑائی میں لڑتے لڑتے نو تلواریں آپ کے ہاتھ میں ٹوٹیں۔لیکن تین ہزار کا ایک لاکھ سے کیا مقابلہ ہو سکتا تھا۔خالدؓ کا یہی بڑا کارنامہ تھا کہ بقیہ فوج کو سلامت لے کر جنگی حکمت عملی کے ساتھ پیچھے ہٹ آئے اور مدینہ واپس آ گئے۔(دشمن کی بھاری سپاہ کے مقابلے میں بالآخر مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا)

مہم کا یہ افسوسناک انجام ہوا کہ یہ معرکہ کسی فیصلہ کن صورت کے بغیر ختم ہو گیا۔اس لڑائی میں بارہ صحابہ شہید ہوئے مگر قبائل عرب پر نفسیاتی دھاک بیٹھ گئی کہ صحابہؓ رومی سلطنت سے بھی ٹکر لینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔رحمت عالم ﷺ کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ باپوں سے زیادہ محبت تھی۔ان کی موت پر بہت افسوس کیا۔خاص کر جوان سال جعفرؓ کی موت پر جو آپؐ کے چچازاد بھائی اور آپؐ کو بہت عزیز تھے۔

Marfat.com

سترھواں باب

فتحِ مکّہ

صلح حدیبیہ کس طرح ٹوٹی؟

سرکار مدینہ ﷺ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے کہ یکا یک باہر سے ایک فریاد بلند ہوئی۔کوئی شخص اشعار میں کہہ رہا تھا:۔

"کچھ غم نہیں، میں محمد (ﷺ) کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور اس کے خاندان میں قدیم سے ہے۔یا رسول اللہ ﷺ! ہماری مدد کر۔اور اللہ کے نیک بندوں کو بلا کہ ہماری مدد کو آئیں۔"

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار آئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو وہ معاہدہ یاد دلا رہے ہیں جو حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ان کے ساتھ کیا تھا اور حضور ﷺ کی امداد کے طالب ہیں۔ان کا قصہ حسب ذیل تھا:۔

صلح حدیبیہ کے بعد قبیلہ بنی بکر جو بنی خزاعہ کا پڑوسی اور قدیم کا دشمن تھا، قریش کا حلیف بن گیا تھا۔چونکہ قریش اور مسلمانوں اور مسلمانوں کے حلیفوں کے درمیان صلح کا عہد نامہ تھا۔اس لیے چاہیئے تھا کہ قریش کے حلیف بنی بکر بھی مسلمانوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ امن قائم رکھتے۔لیکن انہوں نے عہد توڑ کر اچانک بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔عکرمہ بن ابوجہل، ابوسفیان کا بھائی صفوان اور قریش کے دوسرے بعض رئیس بھی بنی بکر کی طرف سے بنی خزاعہ کے ساتھ لڑے۔گویا صلح حدیبیہ کی دھجیاں اڑ گئیں۔لیکن ان کا جرم کچھ اس سے بڑھ کر تھا۔ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ حرم کعبہ میں لڑائی کرنا یا خون بہانا حرام اور قطعاً منع تھا (اور ہے)۔بنی خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی۔لیکن بنی بکر اور قریش نے وہاں بھی ان کا

Marfat.com

پیچھا نہ چھوڑا۔ اور عین حرم میں ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

قریش کی شوخی

یہ حالات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بے حد رنج ہوا۔ حضورؐ نے قریش کے پاس پیغام بھیجا اور فرمایا کہ ان تین شرطوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لو:۔

۱۔ جو آدمی تم نے قتل کیے ہیں، ان کا خون بہا ادا کرو۔

۲۔ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔

۳۔ اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہوا۔

قریش نے تیسری شرط منظور کی اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو کہہ دیا کہ ہم میں اور مسلمانوں میں اب کوئی عہد نامہ نہیں۔ قاصد یہ پیغام لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ جب قریش کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو انہیں سمجھ آئی کہ ہم بڑی حماقت کر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے معاہدہ کو از سر نو تازہ کرانے کے لیے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضور ﷺ نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ ابوسفیان، ابوبکرؓ کے پاس پہنچا۔ وہاں سے جواب ملا تو حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ انہوں نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ابوسفیان حضرت خاتون جنتؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضرت سیدہؓ نے دخل دینے سے انکار کر دیا۔ آخر میں حضرت علیؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی کہہ دیا کہ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا (حتیٰ کہ وہ اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر آیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر بستر لپیٹ دیا کہ کوئی ناپاک اور مشرک اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتا۔) یوں ابوسفیان اپنا سا منہ لے کر مکہ کو واپس لوٹا۔

مکہ پر چڑھائی

قریش کے ساتھ آخری فیصلے کا دن آ پہنچا تھا۔ مدینہ اور گرد و نواح کے قبائل کے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ جنوری ۶۳۰ء (۸ ہجری) میں دس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار مدینہ سے روانہ ہوا۔ مکہ پہنچ کر شہر کے باہر چند میل کے فاصلہ پر پڑاؤ کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ فوج

Marfat.com

پھیل کر پڑاؤ کرے۔اور جا بجا آگ جلائی جائے۔رات کی تاریکی میں سیکڑوں اور ہزاروں جگہ جلتی ہوئی آگ سے جنگل میں منگل بن گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بہت بڑا لشکر اترا ہوا ہے۔قریش کو اسلامی فوج کی آمد کی خبر لگی تو انہوں نے ابوسفیان کو دیکھ بھال کرنے اور صحیح حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ابوسفیان (حضرت عباسؓ کے ذریعے) دربار رسالتؐ میں پیش ہوا۔لشکر کا تقاضا تھا کہ اس کی گردن ماردی جائے لیکن رحمت عالم ﷺ خون ریزی پسند نہیں فرماتے تھے۔دونوں میں بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: کہو ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں ہوا کہ سوائے خدائے واحد کے اور کوئی معبود نہیں۔ابوسفیان نے وہیں اسلام قبول کر لیا۔(حضرت عباسؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ابوسفیانؓ کوئی افتخار چاہتا ہے لہٰذا آپ اُسے عزت بخشئے۔آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں آجائے، اسے امان ہے اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام یعنی کعبہ میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔)

(۱۷رمضان کو) صبح ہوئی اور فوج نے مکہ پر چڑھائی کر دی۔ابوسفیان ایک پہاڑی پر کھڑا فوج کو گزرتے دیکھ رہا تھا اور ہر ایک سپاہی لوہے میں غرق تھا۔ابوسفیان حیران ہو ہو جاتا تھا۔رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جو اس سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔اس وقت ابوسفیانؓ کے پاس کھڑے تھے۔ابوسفیانؓ فوج کو دیکھ کر کہنے لگا کہ تیرے بھتیجے کی بادشاہی بہت طاقتور ہے۔فوج کے آخر میں انصار کی پلٹن تھی۔ابوسفیانؓ کو دیکھ کر ان کے سردار سعد بن عبادہؓ نے کہا: مکہ والے آج ہماری تلواروں کے جوہر دیکھیں گے۔ان الفاظ سے خونخواری ٹپکتی تھی۔چنانچہ حضور ﷺ کے سامنے اس کی رپورٹ کی گئی۔رحمت عالم ﷺ کو خون بہانا منظور نہ تھا۔چنانچہ سعدؓ سے علم لے کر ان کے بیٹے کے حوالے کیا گیا۔ابوسفیانؓ کو آگے سے مکہ بھیج دیا گیا کہ شہر والوں کو جا کر پناہ دے اور مکہ میں اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا ہتھیار ڈال دے گا وہ امن میں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں ایک طرف سے داخل ہوئے اور فوج اسلام حضرت خالدؓ کی سرداری

Marfat.com

میں دوسری طرف سے داخل ہوئی۔عکرمہ بن ابوجہل کی سرداری میں قریش کی ایک جماعت نے فوج پر حملہ کر دیا اور دو مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔اسلامی تلواریں تڑپتی ہوئی نیاموں سے نکلیں اور چشم زدن میں تیرہ کافروں کو ڈھیر کر دیا۔یہ رنگ دیکھ کر کفار کی جماعت بھاگ نکلی۔رحمت عالم ﷺ کو اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا،لیکن ہو بھی کیا سکتا تھا۔

الغرض مکہ لڑائی کیے بغیر فتح ہو گیا اور اسلام کی حکومت قائم ہو گئی کعبہ کو بت پرستی کی آلائشوں سے پاک کیا گیا،بت توڑ پھوڑ کر باہر پھینک دیئے گئے،کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں تھیں مٹا دی گئیں ،اور اس گھر کو اسلامی عبادت کے لیے پاک کیا گیا۔کعبہ کے اندر جا کر حضور ﷺ نے اس فتح عظیم کے لیے شکریہ کی نماز پڑھی اور اس کے بعد آپؐ نے ایک شاندار تقریر فرمائی جس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک واحد ولاشریک ہے،اس کی نگاہ میں سب انسان برابر ہیں،انسان کی شرافت اس کے حسب نسب سے نہیں بلکہ اس کی اپنی لیاقت،چال چلن اور اخلاق کی پاکیزگی سے ہے۔خون کے انتقامات کے جھگڑے بری چیز ہیں کیونکہ ان سے جنگیں پیدا ہوتی ہیں اور خون ریزی بڑھتی ہے۔آئندہ کے لیے اس قسم کے جھگڑے منع ہیں۔

عفو عام

اب سرداران قریش حضورؐ کے سامنے لائے گئے۔بے چارے قیدی اور بے بس تھے۔ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے راستے میں گڑھے کھودے اور کانٹے بچھائے تھے اور جسم مبارک پر کوڑا کرکٹ پھینکا تھا۔ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے حضورؐ کی بڑی صاحب زادی حضرت زینبؓ کو قتل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ان میں وہ بھی تھے جو حضورؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آئے دن طرح طرح کے عذاب دیا کرتے تھے۔انہوں نے خود ہادی برحق ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔سرور دو عالم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کو گھروں سے بے گھر کر دیا تھا۔ان کے خلاف بار بار فوجیں لے کر گئے۔اور اوروں کو بھی دشمنی پر اکسایا تھا۔وہ سب کے سب اب بے دست و پا قیدیوں کی طرح سامنے حاضر تھے۔حضرت رسالت پناہؐ نے ان کو مخاطب کر کے بلند آواز سے فرمایا۔اے اہل قریش!کیا تم جانتے ہو کہ میں

Marfat.com

تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا: تو شریف بھائی ہے۔ اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا: (میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ "آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔") میں تم سب کو معاف کرتا ہوں۔ جاؤ تم آزاد ہو۔ یہ تھا رحمت عالمؐ کا عفو ورحم کا نقشہ۔ ﷺ

مکّہ میں بہت سے لوگ تھے جو اسلام قبول کرنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے قریش کے خوف سے وہ اعلان کرنے سے ڈرتے تھے۔ اب ڈر کس کا تھا۔ آئے اور قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ قریش کا زور ٹوٹ چکا تھا اور بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن سارے شہر نے فوراً ہی اسلام قبول نہیں کر لیا۔ بلکہ بعض نے ہفتوں انتظار کیا۔ کچھ لوگ مکّہ سے بھاگ گئے تھے، وہ واپس بلائے گئے اور ان کو پناہ دی گئی۔ عکرمہ یمن کو بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے اسلام قبول کیا اور اپنے خاوند کے لیے عفو کی طالب ہوئی۔ معافی دے دی گئی اور وہ اسے یمن سے لانے گئی۔ عکرمہ رسول اللہؐ کے بدترین جانی دشمن ابوجہل کا بیٹا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو حضورؐ کھڑے ہو گئے اور اسے گلے لگانے کے لیے آگے بڑھے۔ دشمن کو محبت سے زیر کرنا اور اس کو اپنا والا وشیدا بنا لینا، اخلاق نبویؐ کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

غزوۂ حنین

فتح کے بعد حضورؐ نے مکّہ میں پندرہ دن قیام فرمایا۔ ہوازن کے قبائل اس عرصہ میں اپنی فوجیں اکٹھی کر رہے تھے، جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی۔ تو آپؐ نے صحیح خبر لانے کے لیے مخبر بھیجے۔ جاسوسوں نے رپورٹ دی کہ وادیٔ حنین میں جو مکّہ اور طائف کے درمیان واقع ہے چھ ہزار کا لشکر ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ رسول اللہؐ نے فوج کو حکم دیا کہ لڑائی کو فوراً تیار ہو جائیں۔ جنگ کے اخراجات کے لیے حضورؐ نے ایک دولت مند قریشی سے تیس ہزار درہم قرض لیے، ایک اور قریشی سے جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوا تھا۔ ایک سو زرہیں مستعار لیں اور فروری ۶۳۰ء میں بارہ ہزار کا لشکر وادیٔ

Marfat.com

حنین کی طرف روانہ ہوا۔ان بارہ ہزار میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم رونگروٹ بھی تھے۔

ہوازن بہت بہادر قوم تھی۔تیز اندازی میں تمام عرب میں ان کا ثانی نہ تھا۔انہوں نے اپنے تیر انداز دروں اور گھاٹیوں میں بٹھا دیئے اور اسلامی فوج کے میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے پہلے تمام موزوں مقامات پر قبضہ کرلیا۔مسلمانوں کی تعداد ہوازن سے دگنی تھی۔تعداد کے بل پر ان کو اپنی فتح کا ایسا گھمنڈ تھا کہ بعض اپنی زرہیں بھی گھر چھوڑ آئے تھے۔نتیجہ بہت افسوسناک ہوا۔جب ہوازن نے حملہ کیا تو مسلمان بھیڑوں کی طرح ان کے آگے بھاگ کھڑے ہوئے۔صرف ایک ذات تھی جو میدان سے نہ ٹلی۔یعنی محمد مصطفی ﷺ۔

تیروں کی بارش چاروں طرف سے ہو رہی تھی۔لیکن سرکار دو عالم ﷺ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔عین اس خطرۂ عظیم کے وقت غیرت رسالت جوش میں آگئی اور حضور ﷺ نے بلند آواز سے پکار کر کہا میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا۔آنحضرتؐ کے چچا بہت بلند آواز تھے اور آپؐ کے ساتھ تھے۔حضورؐ نے فرمایا: انصار اور مہاجرین کو آواز دو۔عباسؓ نے آواز دی اور لشکر پلٹ آیا۔اور چند گھنٹوں میں ہوازن کو پیٹ ڈالا۔شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف کو بھاگ گیا باقی اپنی بیویوں، بچوں، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں سمیت پکڑے گئے۔قیدیوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔قیدیوں میں حضورؐ کی رضائی بہن حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی تھی۔شیما جب گرفتار ہوئی تو مسلمان سپاہیوں سے کہنے لگی، مجھے ہاتھ مت لگاؤ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔کسی کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بہن ہے۔حضورؐ خود اسے نہ پہچان سکے۔جب آپؐ حلیمہ کے گھر سے رخصت ہوئے تھے تو آپؐ صرف پانچ برس کے تھے۔اس وقت حضورؐ کی عمر اکسٹھ سال تھی۔اور شیما بھی قریباً ستر سال کی ہوگی۔فرمایا کہ ثبوت پیش کرو۔شیما نے کمر سے کپڑا سرکایا اور کہا جب آپ بچے تھے میں آپؐ کو کھلایا کرتی تھی۔آپؐ نے ایک دفعہ میری پیٹھ پر کاٹا تھا۔یہ دیکھو کاٹے کا نشان اب بھی موجود ہے۔حضورؐ نے نشان دیکھا اور اپنی رضائی بہن سے مل کر بہت خوش ہوئے۔حضورؐ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔شیما کو بٹھانے کے لیے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی۔اس کے ساتھ محبت سے باتیں کیں اور کہا۔اگر

Marfat.com

پسند کرو تو میرے ساتھ مدینہ چلو اور وہاں آرام سے رہو۔ اگر اپنی قوم میں رہنا چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے گھر بھیج دیتا ہوں۔ شیما نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے چند اونٹ اور بکریاں دیں اور اسے گھر بھیج دیا۔

قیدیوں کو محفوظ مقام پر چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ طائف کے گرد مضبوط فصیل تھی۔ طائف والوں نے دروازے بند کر لیے اور دیواروں پر چڑھ کر اسلامی فوج پر تیر برسانے شروع کیے۔ رسول اللہ نے لکڑی کے کچھ آلات بنوائے کہ محاصرہ زیادہ مؤثر ہو۔ شہر والوں نے لوہے کی سلاخیں آگ میں سرخ کر کے ان پر پھینکیں اور ان کو جلا کر راکھ کر دیا۔ محاصرہ بیس دن تک جاری رہا لیکن بے سود ثابت ہوا۔ شہر کے اندر کھانے پینے کا سامان بہت تھا اور لوگ بہت دیر تک محصور رہ سکتے تھے۔ حضورؐ نے مشورہ کے لیے کونسل کی۔ ایک بدوی رئیس نے کہا: لومڑی اپنے بھٹ میں چلی گئی ہے اگر کافی عرصہ یہاں بیٹھے رہو تو ہاتھ آ جائے گی۔ اگر چھوڑ دو تو نقصان بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ حضورؐ کو یہ رائے پسند آئی۔ محاصرہ اٹھا لیا اور جہاں ہوازن کے قیدی تھے وہاں پلٹ آئے۔ (ان معرکوں میں چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں ملا، جسے آپؐ نے غزوۂ طائف کے بعد تقسیم فرمایا۔)

رحمت عالم ﷺ کو انتظار تھا کہ ان کے رشتہ دار آئیں اور رہائی کے لیے درخواست کریں۔ ان کا ایک وفد اب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگے کہ آپؐ نے بنی سعد (ہوازن کا ایک قبیلہ) میں پرورش پائی تھی۔ جو عورتیں ان جھونپڑیوں میں قید ہیں، ان میں کوئی آپؐ کی پھوپھی ہے کوئی خالہ اور کوئی بہن۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کھلایا اور پیار سے پالا تھا۔ چند سادہ الفاظ میں دلوں کا ہلا دینا عرب کا ہی خاصہ تھا۔ حضورؐ پر اس تقریر کا بے حد اثر ہوا۔ خاندان عبدالمطلب کے حصے کے قیدی تو فوراً رہا کر دیئے گئے۔ باقیوں کے متعلق فوج سے سفارش کی۔ وہ فوراً مان گئے اور زرفدیہ لیے بغیر سب قیدی رہا کر دیئے گئے اور ان کو ایک ایک جوڑا کپڑوں کا بھی دیا گیا۔

اس طرح شاہانہ فیاضی و کرم بخشی سے دلوں کو مسخر کرتے ہوئے حضورؐ مدینہ کی طرف لوٹے۔ ہوازن میں اس کے بعد اسلام بہت جلد پھیل گیا۔

Marfat.com

اٹھارہواں باب

نشر اسلام

حنین کی لڑائی آخری بڑی لڑائی تھی جو عرب میں رسول اللہ ﷺ نے لڑی۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں اشاعت اسلام کے لیے آپؐ نے کیا کیا کچھ کیا۔ خوب یاد رکھو کہ جنگ وجدال رسول اللہ ﷺ کا کام نہ تھا اپنے آپ رسولؐ اللہ کبھی کسی لڑائی پر نہیں گئے، کسی قوم پر حملہ نہیں کیا کیونکہ آپؐ کا یہ اصلی کام نہ تھا۔ آپؐ کا اصلی کام دین حق کی تعلیم دینا، اور قوم کو پاکیزہ اخلاق کا سبق پڑھانا تھا۔ یہی کام تھا جس میں حضورؐ ہر روز صبح سے شام تک مصروف رہتے تھے۔ لڑائی پر آپؐ اس وقت جاتے تھے جب دشمن آپؐ پر چڑھ کر آتا تھا۔ یا چڑھ آنے کی تیاریوں میں ہوتا تھا۔ حضورؐ نے کبھی کوئی تنخواہ دار فوج نہیں رکھی۔ جب کوئی جنگ پیش آتی تھی تو وہی لوگ جو روزانہ زندگی میں دوکاندار، سوداگر، دستکار، کسان، باغبان یا چرواہے ہوتے تھے۔ حضورؐ کی پکار پر ہتھیار باندھ لیتے تھے اور فوج بن جاتے تھے۔ لڑائی ہو چکتی تو ہتھیار اتار کر پھر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے تھے۔ اسلام کو پھیلنے کے لیے امن اور صلح وآشتی کی ضرورت تھی۔ جب تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ دین کی ترقی رکی رہی اور اشاعت کی رفتار بہت آہستہ تھی۔ صلح حدیبیہ نے ملک میں امن قائم کر دیا اور دو سال کے عرصہ میں ہزاروں نے اسلام قبول کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس قدر لوگ ان دو سالوں میں اسلام میں داخل ہوئے، اس قدر پہلے اٹھارہ سالوں میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اگلے باب میں ہم رسول اللہ ﷺ کے روزانہ کے معمولات کا ذکر کریں گے۔ اس باب میں صرف اشاعت اسلام کا بیان ہوگا۔

مکی عہد

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ جب تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہے۔ اسلام کی ترقی کی رفتار بہت

Marfat.com

کم تھی کیونکہ مخالفت بہت زیادہ تھی۔رسول اللہ ﷺ کو تعلیم واشاعت کی آزادی نہ تھی اور لوگ آپؐ کے پاس آتے ڈرتے تھے پھر بھی بہت کامیابی ہوئی۔نبوت کے پانچویں سال میں ایک سو مسلمانوں نے حبش کو ہجرت کی۔تیرھویں سال کے شروع میں اتنے ہی مدینہ چلے آئے۔ان کے علاوہ اور مسلمان تھے۔قبیلہ بنی اوس مکہ کے جنوب میں دو دن کی راہ پر تھا۔اس قبیلے کا شاعر طفیل بن عمرو تمام عرب میں مشہور تھا۔اور اپنے قبیلے کا سردار تھا۔اسے مکہ آنے کا اتفاق ہوا۔رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔یمن میں ایک قبیلہ ازد نامی تھا۔ان کا سردار ضماد بن ثعلبہ بھی مکہ میں آیا اور حضورؐ سے قرآن شریف سن کر مسلمان ہو گیا۔حضرت ابوذر غفاریؓ جن کا قبیلہ مکہ کے شمال میں شام کے راستے میں رہتا تھا، وہ بھی اسی زمانے میں اسلام لائے۔جب کہ رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ میں تشریف رکھتے تھے۔جب یہ لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹے تو وہاں جا کر اپنے اپنے قبائل میں اشاعت کا ذریعہ بن گئے۔

مدنی عہد

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ کو ہجرت فرما گئے تو اسلام جلد جلد پھیلنا شروع ہوا۔مثلاً غزوۂ بدر کے موقعہ پر شاہ مدینہؐ بڑی مشکل سے ۳۱۳ آدمی میدان میں لا سکے۔غزوۂ احد ایک سال بعد واقع ہوا اور مسلمان فوج کی تعداد ۷۰۰ تھی۔غزوۂ خندق میں اسلامی لشکر قریباً ۳۰۰۰ تھا۔صلح حدیبیہ نے اشاعت کی رفتار بہت تیز کر دی۔اب مسلمانوں کی تعداد جلد جلد بڑھتی گئی۔چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار جان باز پرچم اسلام کے نیچے جمع تھے۔

مدینہ میں آکر شروع کے چند سالوں میں بہت مصیبتوں کا سامان تھا۔تمام عرب قریش کے زیر اثر تھا اور اسلام کا دشمن بنا ہوا تھا۔دور دور کے قبائل میں مبلغ بھیجنا بہت مشکل اور خطرناک تھا۔جو مبلغ بھیجے جاتے تھے۔اکثر قتل کر دیئے جاتے تھے۔مثلاً ۳ ہجری میں ستر مبلغوں کی ایک جماعت دور کے ایک قبیلے کی دعوت پر روانہ کی گئی وہ سب کے سب راہ میں قتل کر دیئے گئے اور صرف ایک صحابی بچا، جو اس واقعہ کی خبر لایا۔اسی سال دس مبلغوں کی ایک اور جماعت، ایک اور قبیلے کی طرف بھیجی گئی۔ان میں

Marfat.com

سے بھی ۹ قتل ہوئے اور ایک زندہ بچ کر نکلا۔ پچاس مبلغ ۷ ہجری اور پندرہ ۸ ہجری اور پندرہ ۸ ہجری میں اسی طرح کام آئے۔

لیکن ان تمام خطروں کے باوجود اسلام ترقی کرتا گیا۔ قریش کی مخالفت، ان کے اسلام کے خلاف قبائل کو بھڑکانے، ان کے مدینہ پر پے در پے حملوں اور بار بار کی شکستوں نے جناب مصطفیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کا نام تمام ملک میں مشہور کر دیا تھا اور عرب کے قریباً ہر ایک آدمی کو معلوم ہو گیا تھا کہ مدینہ میں ایک غیر معمولی انسان ہے جو ایک نیا دین سکھا رہا ہے۔ جو بت پرستی کو حماقت بتاتا اور لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتا ہے۔ قریش کا ڈر لوگوں کو پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ لیکن غزوۂ خندق میں ان کی شکست نے بہتوں کو حوصلہ دیا اور مزنیہ، اشجع اور جہینہ کے قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی سال (۵ ہجری) میں بحرین سے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے کچھ سوداگر مدینہ آئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ور دین حق ان کے قبیلوں میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ صلح حدیبیہ نے بہتوں کے لیے راستہ کھول دیا اور یمن تک سے لوگ اسلام کا اعلان کرنے آئے۔

قبائل کے وفد

لیکن ۸ ہجری میں فتح مکّہ نے اسلام کے راستے سے تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ عربوں کے دلوں میں قریش کی بہت عزت تھی وہ کعبہ کے متولی تھے اور عرب کے پیشوا اور لیڈر مانے جاتے تھے۔ جب ان کا زور ٹوٹ گیا اور خود اسلام میں داخل ہونے لگے تو دوسرے قبائل بھی جلد جلد اسلام قبول کرنے لگے۔ فوجوں کی فوجیں آتی تھیں اور اسلام میں داخل ہو جاتی تھیں۔ فتح مکّہ سے اگلے دو سال میں مختلف قبائل کے وفود قبول اسلام کا اعلان کرنے کے لیے مدینہ آئے اور اتنے آئے کہ ۹ ہجری تاریخ اسلام میں عام الوفود کے نام سے مشہور ہے۔ وفد بحرین، یمن، حضر موت وغیرہ وغیرہ مختلف صوبوں سے آئے۔ بحرین اور یمن کے ایرانی گورنر مسلمان ہو گئے اور یہ علاقے سلطنت اسلام میں داخل ہو گئے۔ عمان بھی ایران کے ماتحت تھا، یہاں کے باشندے اور رئیس مسلمان ہو گئے اور ان علاقوں میں ایرانی تسلط کا خاتمہ ہو گیا۔

Marfat.com

جب کوئی قبیلہ اسلام قبول کر لیتا تھا تو لوگوں کو احکام دین سکھانے کے لیے معلم فوراً بھیج دیئے جاتے تھے۔سب کے سب وفد اسلام کا اعلان کرتے نہیں آتے تھے۔وہ لوگ جو اپنے پرانے مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے،ان کے وفد محض ملکی عہد و پیمان کرنے کے لیے آئے۔لیکن ان معاہدات میں ہمیشہ یہ شرط کر لی جاتی تھی کہ ان کے ہاں مسلمان مشنریوں کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہوگی۔اسلام فاتحانہ قوت اپنے اندر رکھتا ہے۔چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ مشنری لوگوں کو اسلام میں داخل کر لیتے تھے۔

طائف کا قبول اسلام

دو وفدوں کا قصہ بہت دلچسپ اور بیان کرنے کے لائق ہے۔ان میں ایک طائف سے آیا تھا۔یاد ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اس شہر کو فتح نہیں کر سکے تھے اور محاصرہ اٹھا لینا پڑا تھا۔اس موقعہ پر کسی نے کہا تھا کہ حضورؐ اس قصبے کے حق میں بد دعا کریں۔رحمت عالم ﷺ نے طائف کے رہنے والے بنی ثقیف کے حق میں یہ دعا کی۔"مولا کریم! ثقیف کو ہدایت دے اور میرے پاس لا۔" دعا قبول ہوئی۔اور رسول اللہ ﷺ ابھی مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ ان کا سردار عروہ بن مسعود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا،اسلام کا اعلان کر کے وہ طائف کو پھرا۔اور قوم کو اسلام کی دعوت دی۔اس کی دعوت کا جواب تیروں کی بارش سے ملا اور وہ وہیں شہید ہوا۔

اس کے تھوڑے ہی دن بعد صخر بن عیلہ نے جو دور کے ایک قبیلے کا سردار تھا۔طائف کا محاصرہ کیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک اہل طائف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول نہیں کریں گے، میں محاصرہ نہیں اٹھاؤں گا۔شہر نے آخر اطاعت کی اور صخر خوشخبری لے کر مدینہ پہنچا۔اس واقعہ کے چند دن بعد طائف والوں نے مجلس کی اور قرار پایا۔کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا جائے۔وفد اسلام قبول کرنے پر تیار تھا لیکن چاہتا تھا کہ ان کے بت منات کو نہ توڑا جائے۔کہنے لگے اگر اسے پتہ لگ گیا کہ کوئی اسے توڑنے آیا ہے تو وہ شہر کو فنا کر دے گی۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بت کا توڑنا ضروری ہے انہوں نے اسلام قبول کر لیا لیکن کہہ دیا کہ ہم اپنے ہاتھ سے منات کو نہیں توڑیں گے۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے ابو سفیانؓ اور ایک اور آدمی کو طائف بھیجا کہ جا کر منات کو توڑ ڈالیں اور اس کے ٹکڑے کر کے باہر پھینک

Marfat.com

دیں۔ طائف کی عورتوں نے جب دیکھا کہ ہمارا بت خانہ توڑا جا رہا ہے تو بہت روئیں پیٹیں۔ اور اپنے مردوں کو بہت برا بھلا کہا۔ لیکن چیخ پکار اب بے کار تھی۔ بت خانہ توڑ دیا گیا اور اس کی جگہ مسجد بنائی گئی۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ کہیں وہ لوگ پھر بت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔

وفد نجران

دوسرا وفد جس کا قصہ دلچسپ ہے، یہ نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ انہیں مسجد میں ٹھہرا دیا گیا اور مسجد میں انہوں نے اپنا گرجا کیا۔ وفد کئی دن رہا اور بہت مباحثے ہوئے۔ آج کل کے عیسائیوں کی طرح وہ بھی حجت کرتے تھے کہ ہم آگے ہی مسلمان ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ جب تک تم صلیب کو پوجتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہو اس وقت تک تم مسلمان نہیں کہلا سکتے۔ ان کے دلائل کے پرخچے اڑا دیئے گئے لیکن وہ حق کو قبول کرنے پر نہ آتے تھے۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: آؤ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ لیکن اس تجویز پر بھی وہ رضامند نہ ہوئے۔ بہر حال عہد نامہ ہو گیا انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اور اپنے ملک کو واپس گئے۔

غزوۂ تبوک

مکہ جنوری ۶۳۰ء میں فتح ہوا تھا۔ اس کے بعد اسلام اس سرعت سے پھیلا کہ اسی سال کے ستمبر میں رسول اللہ ﷺ کو جب فوج کشی کی ضرورت پڑی تو تیس ہزار کی فوج تیار ہو گئی۔ ملک میں کچھ عرصے سے افواہیں پھیل رہی تھیں کہ قیصر روم عرب پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں جمع کر رہا ہے۔ آخر کار بعض شامی سوداگر خبر لائے کہ قیصر حملہ کرنے کو چلا آ رہا ہے۔ ملکی معاملات میں رسول اللہ ﷺ بے حد دور اندیش تھے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ قیصر کا آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہئے اور اس کو اپنے ملک میں نہیں آنے دینا چاہئے۔ گرمی بہت پڑ رہی تھی ملک میں خشک سالی تھی، بارش نہیں ہوئی تھی۔ قحط پڑا ہوا تھا اور کئی لوگ اس کڑی مہم سے جی چراتے تھے۔ ایسے بھی بہت تھے جو جانا تو چاہتے تھے لیکن مہم کا خرچ اور سواری کا جانوران کے پاس نہیں تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اتنی دولت نہ تھی کہ سب کے لیے سامانِ جنگ مہیا کر سکیں۔ پھر بھی تیس ہزار کا لشکر ساتھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن

Marfat.com

مدینہ سے چودہ دن کی مسافت پر تبوک پہنچ کر اطلاع ملی کی قیصر کے حملہ کی خبر غلط تھی۔ اس لیے کوئی جنگ نہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اس نواح میں بیس دن ٹھہرے۔ پاس کے یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ معاہدے کیے اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

حج براۃ

جب سے ہجرت ہوئی تھی رسول اللہ ﷺ نے حج میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ ۹ ہجری (مارچ ۶۳۱ء) کے حج میں بھی حضورؐ شریک نہ ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اسلام میں حج کا فریضہ قائم رکھا جائے تاکہ مسلمانوں کو سال میں ایک بار اکٹھا ہونے کا موقع ملتا رہے اور اسلام کے مقدس مقاموں کی زیارت سے ان کا ایمان تازہ ہوتا رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے حج کے ارکان (اور مناسک حج) متعین کیے۔ بت پرستی کی آلائشوں سے اسے پاک کیا اور اسلام کے پاکیزہ طریق عبادت کے مطابق بنا دیا۔ اس لیے حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرداری میں تین سو مسلمان بھیجے کہ نئے طریق پر حج کریں اور اور لوگوں کو یہی طریقہ سکھائیں۔ حج کے مراسم طے ہو چکے اور سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے۔ تو حضرت علیؓ نے وہ اعلان پڑھ کر سنایا جو قرآن شریف کی سورۂ براۃ یا سورۂ توبہ میں موجود ہے۔ اعلان تھا کہ اس تاریخ کے بعد کسی کافر کو حج کے مراسم میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ ہی ننگے ہو کر ان کو کعبہ کا طواف کرنے دیا جائے گا۔ یہ حکم اس لیے ضروری تھا کہ اگر نئے اور پرانے دونوں قسم کے مراسم کو جاری رہنے دیا جاتا تو لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی اور فساد تک نوبت پہنچ جاتی۔ علاوہ ازیں بت پرستی دن بدن مٹ رہی تھی اور وہ دن دور نہیں تھا کہ ایک بت پرست بھی عرب میں نہ رہے۔

حجۃ الوداع

اسلام پھیلتا چلا گیا اور جب اگلے سال ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ خود حج کے لیے تشریف لے گئے تو ایک لاکھ (سے زائد) مسلمان حضورؐ کے گرد جمع تھے۔ حج کے ارکان ہو چکے تو ایک دن رسول اللہؐ نے اپنی اونٹنی قصواء نامی پر سوار ہو کر اس عظیم الشان گروہ کو مخاطب کیا، یہ خطبہ غیر معمولی طور پر لمبا تھا۔ حضورؐ آہستہ آہستہ اور اس قدر صاف بولتے کہ ایک ایک نے خطبہ سنا اور ایک ایک لفظ دلنشین ہوتا گیا:

Marfat.com

''لوگو! میری بات (غور) سے سن لو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ شاید اس سال کے بعد، میں اس مقام پر تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ تمہارا خون اور تمہارا مال، ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح تمہارے آج کے دن کی، جاری مہینے کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی، جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیے گئے اور ان میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے، یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ ان ایام میں قبیلہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں، وہ عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے، اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! اپنی عورتوں کے بارے اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور اللہ کے کلمے کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جو تمہیں گوارا نہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو لیکن سخت مار نہ مارنا۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں بھلائی کے ساتھ کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ ہے اس کی کتاب (قرآن مجید)۔

لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، خوشی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے رب کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا، ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔''

Marfat.com

(آخر میں آپؐ نے لوگوں کو) مخاطب کر کے فرمایا۔ قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تو تم کیا جواب دو گے؟

اس سوال کے جواب میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے حلقوں میں سے ایک ساتھ آواز نکلی۔ ''ہم کہیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔''

(یہ سن کر آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اسے لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ گواہ رہ۔'')

کسی انسان کی بزرگی کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ ساری قوم متفق ہو کر شہادت دے کہ اس نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔

یہ خطبہ تین دن تین مختلف مقامات پر دیا گیا تا کہ لوگ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور جو لوگ حج میں شریک نہیں ہو سکے تھے، ان تک پہنچا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا: شائد میں اس کے بعد تم کو نہ دیکھ سکوں۔ پھر لوگوں کو الوداع کہی اور مدینہ کا رخ کیا۔ مکہ سے چند میل چل کر آپؐ نے قیام فرمایا اور ایک اور خطبہ دیا اور فرمایا:

> ''اے لوگو! میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے موت کا پیغام جلد آ جاوے اور مجھے قبول کرنا پڑے۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ دوسری چیز میری سنت ہے، جب تک تم ان پر قائم رہو گے، گمراہ نہ ہو گے۔''

وصال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ آخری حج تھا۔ اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ یہ ...
مارچ ۶۳۲ء میں ہوا۔ حضورؐ اپنا مشن پورا کر چکے تھے اور آپؐ کو محسوس ہونے لگا تھا کہ زندگی کے سمندر کا کنارہ نزدیک آ پہنچا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو صحابہؓ اسلام پر جانیں قربان کر چکے تھے ان دنوں آپؐ کو اکثر یاد آتے تھے۔ اور حضورؐ احد کے شہیدوں کی قبریں دیکھنے جایا کرتے تھے۔ مئی کے آخر ...

Marfat.com

ہفتہ میں آپؐ بیمار ہوئے۔ بیماری کے دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی امامت کے لیے مقرر ہوئے۔ بیماری دن بدن بڑھتی گئی۔ ایک دن ذرا طبیعت سنبھلی۔ آپؐ مسجد میں تشریف لے آئے اور نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں کو تنبیہ کی کہ اور قومیں اپنے پیغمبروں اور پیروں کی قبروں کو پوجنے لگ گئی تھیں لیکن میں تنبیہ کرتا ہوں کہ میری وفات کے بعد میری قبر کو سجدہ نہ کرنے لگ جانا۔ بیماری کے دنوں میں آپ نے یہ حکم بار بار دہرایا۔

۶ رجون ہفتہ کے دن بخار بہت تیز تھا۔ اتوار کو حالت اور بھی بہت خستہ تھی۔ پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ، ۸ رجون ۶۳۲ء دوپہر کے بعد تین بجے کے قریب پیغمبر اعظم اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔ ﷺ

وفات آپؐ کی پیاری حرم محترم جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں واقع ہوئی تھی۔ گلے دن لوگ چھوٹے چھوٹے گروہ بنا کر آتے گئے، اور جنازہ پڑھتے گئے۔ یہ سلسلہ تمام دن جاری رہا ورمنگل کی رات آپؐ اسی مقام پر دفن ہوئے جہاں آپؐ کی وفات ہوئی تھی۔ ﷺ

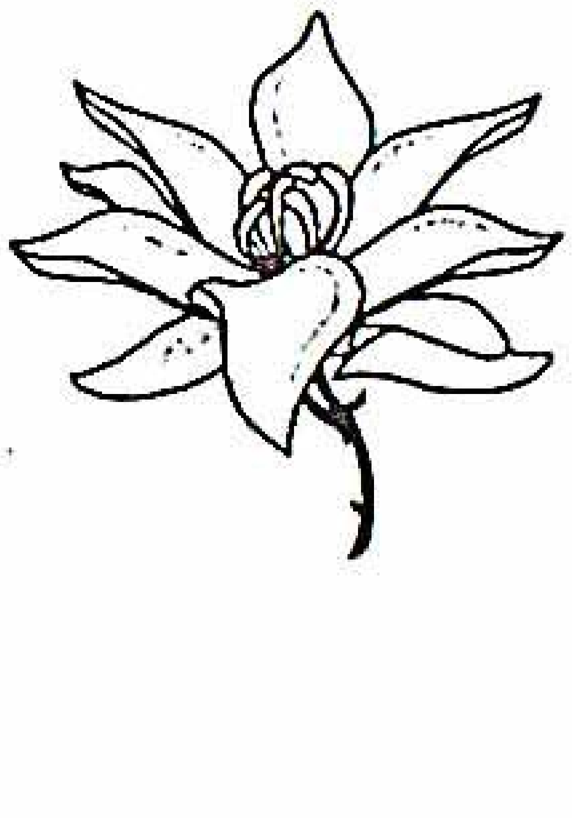

Marfat.com

انیسواں باب

ایک آخری نظر

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے مشن میں نہایت عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کسی نبی کو اس قدر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حضور ﷺ چالیس سال کی عمر میں نبوت پر فائز ہوئے، اور (قمری حساب سے) تریسٹھ سال کی عمر میں آپؐ نے انتقال فرمایا۔ اس تیئس سال کے عرصے میں آپؐ نے ملک کا نقشہ بدل دیا۔ جنگ و جدال کا خاتمہ ہو گیا۔ ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور قزاقی کا نام و نشان مٹ گیا۔ خون ریزی بند ہو گئی۔ عرب اپنی تمام تاریخ میں پہلی دفعہ آپس میں متحد ہو کر ایک قوم بن گئے اور سارا ملک ایک جھنڈے کے نیچے آ گیا۔

اسلام سے پہلے عرب نہایت کمزور قوم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو طاقتور بنا دیا۔ وہ وحشی تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مہذب قوم بنا دیا۔ اسلام سے پہلے ملک میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون جاری تھا۔ اب انصاف کا دور دورہ تھا اور ملک میں امن رکھنے کے لیے حکومت قائم ہو گئی تھی۔ کمزوروں پر اب ظلم نہیں ہو سکتا تھا۔ یتیموں کو اب لوٹا نہیں جا سکتا تھا۔ بیواؤں کے ساتھ بے انصافی نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکیاں اب زندہ دفن نہیں کی جا سکتی تھیں۔ اس کی جگہ رحم اور مروت نے لے لی اور لوگ غربا کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے لگے۔ مسافروں کو ہر طرح سے مدد دی جاتی تھی۔ غلاموں کے ساتھ رحم اور ہمدردی کا برتاؤ ہوتا تھا۔ عورت کی عزت ہونے لگی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی بجائے پیار اور محبت سے پالا جاتا تھا۔ یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری ہونے لگی۔ خاندانی تفاخر مٹ گئے اور لوگ ایک دوسرے کو اپنے برابر اور اپنا بھائی سمجھنے لگے، اسلام سے پہلے وہ جاہل اور ان پڑھ تھے۔ اب ان کو تعلیم دینے کے لیے معلم موجود تھے۔ وہ ظالم تھے، رحمدل بن گئے، خون کے جھگڑے مٹ

Marfat.com

گئے۔ پرانی عداوتیں دفن کردی گئیں اور ان کی جگہ مروت اور ہمدردی نے لے لی۔

اسلام سے پہلے عرب بدیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسلام نے ان کو ایک پاکیزہ قوم بنادیا جرم وعصیان کے سب داغ ملک عرب کے دامن سے دھل گئے۔ جوا جاتا رہا، شراب خوری جاتی رہی، بت پرستی مٹ گئی۔ بت خود مٹ گئے اور اب ساری قوم خدائے واحد ولاشریک کی عبادت کرنے لگی۔

قصہ مختصر ملک کی کایا پلٹ گئی۔ عرب بدل گئے ان کی خصلت بدل گئی۔ ان کے دل بدل گئے۔ وہ لوگ جو ظالم خونخوار اور سنگدل ہوا کرتے تھے اب مہذب اور خدا ترس انسان بن گئے۔ یہ کام صرف حضرت محمد ﷺ کے کرنے کا تھا۔ ﷺ

تعلیم

حضور ﷺ کو یہ کامیابی کیسے حاصل ہوئی؟ اس کامیابی کا راز یہ تھا جو کچھ حضورؐ دوسروں کو سکھاتے تھے۔ پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔ اسلام کی تعلیمات قرآن کریم میں ہیں۔ حضورؐ کی زندگی کا نمونہ جس کو سنت کہتے ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کر کے حضورؐ کو وحی کے ذریعے بھیجا گیا۔ اور تئیس سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ جو مرد، عورت یا بچہ مسلمان ہوتا تھا اس کو قرآن شریف سکھایا جاتا تھا۔ سیکڑوں نے قرآن شریف زبانی حفظ کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ ہر روز قرآن شریف کا درس دیتے تھے اور اس کے معانی لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ جلسے ہوتے تھے۔ سبق دیئے جاتے تھے اور سوالات کیے جاتے تھے۔ لوگوں کو اجازت تھی، کہ جو سوال جی میں آئے پوچھیں۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ دن میں جس وقت چاہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلا جائے۔ اگر کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق ذرا سا بھی شک ہوتا تھا۔ وہ سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاتا تھا اور اس کے متعلق آزادانہ سوال کرتا تھا۔ دربار محمدی ﷺ میں کوئی روک ٹوک نہ تھی لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے اور پے در پے سوالات کرتے۔ حضور ﷺ جواب دینے سے کبھی نہ گھبراتے۔ کیا مرد اور کیا عورت کیا امیر اور کیا غریب۔ سب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پوری آزادی کے ساتھ مسائل پوچھتے تھے۔ حضورؐ لوگوں کو مسجد میں دین حق کی تعلیم دیتے۔ جب دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تو ان کو کھانے

Marfat.com

کے آداب سکھاتے۔ بازار میں جاتے تو کاروبار میں دیانت داری کی تعلیم دیتے اور بتاتے کہ تجارت میں دیانتداری کیا ہوتی ہے۔اور بددیانتی کیا ہوتی ہے۔اچھائی کسے کہتے ہیں اور بدی کسے کہتے ہیں۔ایک مثال سے یہ بات واضح ہوجائے گی۔ایک دن حضوؐر بازار میں جانکلے اور ایک آدمی کو غلہ بیچتے ہوئے دیکھا۔حضور ﷺ نے غلے کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ غلہ اندر سے گیلا ہے۔حضوؐر نے پوچھا: یہ کیا؟ اس نے جواب دیا بارش ہوئی تھی۔غلہ بھیگ گیا۔اس پر حضوؐر نے فرمایا کہ تو پھر اس کو کھول کر کیوں نہیں رکھتے؟ تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ اندر سے گیلا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار کا معائنہ اکثر فرماتے تھے اور سخت احکام جاری کرر کھے تھے۔کہ ماپ تول میں ہرگز کمی نہ کی جائے اور کسی طرح سے کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم کا کوئی موقعہ نہیں کھوتے تھے، جب فوج لڑائی پر جارہی ہوتی تھی، اس وقت بھی راہ میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔جنگ میں لوگوں کو جنگ کے اخلاق سکھاتے اور فرماتے کہ لڑائی میں پہل نہیں کرنی چاہئے اور دشمن کے حملہ کا انتظار کرنا چاہئے۔کیونکہ ممکن ہے، دشمن صلح پر مائل ہو۔دشمن جب شکست کھاجائے تو اس کے ساتھ نرمی اور شفقت برتنی چاہئے۔جنگ میں عورتوں ، بچوں اور بوڑھے مردوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔جنگ صرف امن کو قائم کرر کھنے کے لیے ہو۔لوٹ مار یا دنیاوی غرض کے لیے نہ ہو۔الغرض اٹھتے یا بیٹھتے ، گھر پر، مسجد یا بازار میں، راہ میں یا جنگ میں اسلامی اخلاق سکھانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نہائت فصیح مقرر تھے۔الفاظ معانی سے بھرے ہوتے تھے۔آہستہ اور بہت صاف بولتے تھے۔کہ لوگوں کو ایک ایک لفظ صفائی سے سنتا اور ذہن نشین ہو جاتا تھا۔تقریر میں بعض اوقات ایک ہی بات دو دو تین تین دفعہ دہراتے تاکہ الفاظ سننے والوں کے دلوں پر نقش ہوجائیں۔

مصروفیت

زندگی کے آخری تین سالوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام بے حد زیادہ ہوگیا تھا۔اس سے پہلے صرف مدینہ کے انتظامات آپؐ کے متعلق تھے۔لیکن خیبر کی فتح کے بعد اسلام کی سلطنت جلد

Marfat.com

جلد پھیلتی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ملک عرب ایک جھنڈے کے نیچے آ گیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں گورنر مقرر کیے گئے۔ گورنروں کی تنخواہیں بہت کم ہوتی تھیں۔ مکّہ کے والی کو صرف ایک درہم روزانہ ملتا تھا اور وہ اسی پر خوش تھا۔ مبلغ، معلم اور ٹیکس وصول کرنے والے تمام ملک میں پھیل گئے۔ ان کی رپورٹیں حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتیں اور ضروری ہدایات جاری کی جاتیں۔ ان سب کے کام کی نگرانی حضوؐر کے ہاتھ میں ہی تھی۔ مدینہ اور گردونواح کا علاقہ حکومت کا مرکزی حصہ تھا۔ اس پر حضوؐر براہ راست حکومت کرتے تھے۔ پھر مختلف قبائل کے وفد حضوؐر ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضوؐر ہی ان کی خاطر تواضع اور رکھ رکھاؤ کا انتظام فرماتے اور معاہدے کی شرائط طے کرتے۔ بازار کا معائنہ ہر روز فرماتے۔ پھر ساتھ ہی تعلیم کا کام جاری تھا۔ ملک کے مختلف حصوں سے لوگ جوق در جوق حضور ﷺ کی ملاقات اور آپؐ کا کلام سننے کے لیے آتے اور بات چیت بحث مباحثے کرتے۔ کام بے حد زیادہ تھا کوئی معمولی انسان اس قدر کام برداشت نہیں کر سکتا۔ کام کی زیادتی نے حضور ﷺ کا جسم مبارک تھکا کر چور چور کر دیا اور آخری عمر میں آپ ﷺ تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے۔ ایک ملک کا انتظام کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے بہت سے وزرا اور سیکرٹریوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور جان توڑ مشقت درکار ہوتی ہے۔ پس حیرت کا کوئی مقام نہیں کہ اس کام نے حضوؐر کو تھکا کر چور چور کر دیا (مگر ایمان کی قوت اور تعلق باللہ کی طاقت آپؐ کا حقیقی اثاثہ تھا۔)

سخاوت

(آپؐ کے پاس) صرف باہر کی حکومت کے انتظام کا ہی کام نہیں تھا۔ شہنشاہ عرب گھر کے کام کاج میں بیبیوں کا ہاتھ بٹاتے، فرش پر جھاڑو دیتے، بکریوں کا دودھ دوہتے اور اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے۔ آخری دن تک حضور ﷺ نے غربت سے زندگی بسر کی۔ کئی کئی دن تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی کیونکہ پکانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔ سرکاری محاصل کی بڑی بڑی رقمیں ملک کے مختلف حصوں سے آتی تھیں۔ روپیہ یا تو سرکاری کاموں میں خرچ ہوتا تھا یا غربا میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ بحرین سے ایک لاکھ درہم کی گراں رقم آئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایسی بڑی رقم کہیں سے آئی ہو اور حضوؐر نے پسند فرمایا کہ ایک

Marfat.com

دفعہ قوم کے دلدر دھوڈالے جائیں۔ چنانچہ مال مسجد میں ڈھیر کر دیا گیا۔ حضورؐ پاس بیٹھ گئے اور لوگوں سے کہا جس کا جی جس قدر چاہے اٹھا کر لے جائے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام رقم بٹ گئی اور شہنشاہ اعظم کپڑا جھاڑ کر خالی ہاتھ گھر آ گئے۔ حضورؐ کی فیاضی بے حد و شمار تھی۔ کوئی سائل اس سرکار عالیٔ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں پھرتا تھا۔ اگر حضورؐ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہوتا تو اپنا ہی کھانا اٹھا کر دے دیتے اور خود فاقہ کرتے۔ جیسے آپؐ مکّہ کی مخالفت کے دنوں میں ویسے ہی عرب کا حکمران بن جانے پر رہے۔ اوروں کے آرام کا خیال پہلے ہوتا تھا اور اپنی فکر سب کے بعد ہوتی تھی۔۔ ذاتی اخراجات کے لیے قومی محاصل سے خرچ لینا آپ ﷺ کا حق تھا۔ غنیمت کے مال کا پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ کے لیے وقف ہوتا تھا۔ لیکن آپؐ سارا روپیہ یا تو سرکاری کاموں پر یا غربا کی امداد میں خرچ کر دیتے تھے اور اپنے لیے کچھ نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ صدقہ اور زکوٰۃ کا مال اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا اور اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ کے واسطے حرام کر دیا۔

مساوات

صحابہ رسول اللہ ﷺ پر دل و جان سے فدا تھے اور ہر ایک بات میں اطاعت کرتے تھے۔ حضورؐ عرب کے حکمران بن گئے لیکن روزانہ کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ اپنے لیے کوئی خاص حقوق یا اعزاز مخصوص نہ کیے۔ لوگوں میں بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے اور آپؐ میں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ ایک دن کسی دور کے قبیلے کا ایک آدمی مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد میں آ کر اپنے اونٹ سے اترا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنا چاہتا تھا۔ مسجد میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ سب برابر بیٹھے تھے اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کا سردار کون ہے؟ وہ ایک دوسرے کو تکتا تھا اور حیران تھا کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ آخر اسے پوچھنا پڑا: اَیُّکُم مُحَمَّدٌ؟ تم میں سے محمدؐ (ﷺ) کون ہیں؟ ایک صحابی نے بتایا کہ وہ سفید مبارک چہرے والا انسان محمدؐ ہے۔ مساوات اور حقیقی بڑائی کا یہ عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہلکا کھلا کھلا رنگ رکھتے تھے اور بہت حسین تھے۔ پیشانی بلند اور سینہ کشادہ تھا۔ بہت مضبوط بدن رکھتے تھے لیکن گفتگو میں نہایت میٹھے، اطوار میں نہایت شستہ اور شفیق اور کنواری لڑکیوں کی طرح شرمیلے تھے۔

Marfat.com

بیواؤں اور یتیموں کی پرورش

یتیموں اور بیواؤں کی نگہداشت کا آپؐ کو خاص خیال رہتا تھا۔ ایک روزانہ معمول یہ تھا کہ غریب بیواؤں کے گھر جاتے۔ ان کا پانی بھر دیتے، سودا سلف لا دیتے اور ہر طرح سے ان کی مدد کرتے تھے۔ یہ کام اس وقت بھی جاری رہے۔ جب آپؐ عرب کے شہنشاہ بن گئے۔ قبیلہ طے کا سردار عدی بن حاتم جس نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ راہ میں ایک بڑھیا عورت ملی جو آپؐ سے باتیں کرنے لگی اور بہت دیر تک کرتی رہی۔ رسول اللہ صبر کے ساتھ اس کی بات کو سنتے رہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر عدی نے اپنے جی میں کہا: خدا کی قسم! یہ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان ہے۔

غربا پر توجہ

ایک بوڑھی حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ یکایک اس نے آنا بند کر دیا اور کئی دن تک نہ آئی۔ رحمت عالم ﷺ کے دل میں ہر کس و ناکس کے لیے جگہ تھی۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تم نے مجھے پہلے کیوں نہ اطلاع دی۔ میں جا کر اس کا جنازہ پڑھتا۔ چنانچہ آپؐ تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ یہ تھا آپ ﷺ کا انکسار اور آپ ﷺ کی ہمدردی اور مساوات کا عالم۔

دوستی

رسول اللہ ﷺ نہائت باوفا اور صادق دوست تھے۔ یاد ہو گا کہ زیدؓ بن حارثہ کو رسول اللہ نے مکہ میں آزادی عطا کی تھی۔ زیدؓ معرکۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضورؐ کو اطلاع پہنچی تو آپؐ خود اس کے گھر گئے۔ زیدؓ کی بیوی نے بچوں کو نہلا کر ابھی کپڑے پہنائے تھے۔ رحمت مجسم بچوں سے بغل گیر ہوئے، ان کو بوسہ دیا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بچے یتیم رہ گئے تھے اس خیال نے حضورؐ کو بے تاب کر دیا۔ یہ تھی ہمارے نبی اعظم کے دل کی کیفیت ﷺ۔ آپؐ کو آبدیدہ دیکھ کر زیدؓ کی بیوی سمجھ گئی کہ خاوند جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

ر کرتے۔ حضورؐ ان

کے ساتھ کھیلتے، اور وہ نڈر ہو کر حضورؐ ۔۔۔ اور ۔۔۔ آپ ﷺ کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ چھوٹے بچے آپؐ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے۔ کبھی وہ آپؐ کے ساتھ دوڑیں لگاتے اور حضورؐ اسے اپنے لیے باعثِ عار نہ سمجھتے۔ کم سن بچے بعض اوقات حضورؐ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے۔ لیکن حضورؐ پروا نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ کے نواسے حسنؓ اور حسینؓ آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار ہو جاتے اور کہتے دادا جان دوڑو۔ مدینہ میں ایک چھوٹا لڑکا تھا، جو حضورؐ کے پاس اکثر آیا کرتا تھا۔ حضورؐ ہنسی مذاق بھی کرتے تھے اور مذاق سے اس کا نام ابوعمر رکھ رکھا تھا۔ جب اسے آتا دیکھتے تو فرماتے آؤ بھئی ابوعمر! کہو آج تمہارے طوطے کا کیا حال ہے؟ لڑکا جواب دیتا، بہت خوب! اب وہ باتیں کرنے لگ گیا ہے۔

رحمت عالم ﷺ کا دل محبت اور ہمدردی سے لبریز تھا۔ انسان تو انسان آپ ﷺ کو بے زبان جانوروں سے بھی محبت تھی اور ان سے بہت نرمی برتتے۔ بنی نوع کی خدمت سے تھکنے والے نہیں تھے۔ گفتگو پاکیزہ اور مہذب تھی۔ مروت اور تواضع میں ان تھک تھے۔ آپؐ کے اخلاق نہایت بلند تھے۔ اطوار و آداب نہایت پیارے تھے۔ غرض یہ کہ حضورؐ کی گوناگوں اور بے حد و بے شمار خوبیوں کی وجہ سے صحابہؓ آپؐ پر نثار تھے۔ اور اپنے ماں باپ اور بچوں سے بھی زیادہ آپ ﷺ کو چاہتے تھے۔

((صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

Marfat.com